تنزیلہ ریاض

راپنزل

مہر کو کہانیاں سننے کا بے حد شوق ہے۔ اسکول کے فینسی ڈریس شو میں وہ شہزادی راپنزل کا کردار ادا کر رہی ہے' اس لیے اس نے اپنے پاپا سے خاص طور پر شہزادی راپنزل کی کہانی سنانے کی فرمائش کی۔ کہانی سناتے ہوئے اسے کوئی یاد آجاتا ہے' جسے وہ راپنزل کہا کرتا تھا۔

نینا اپنے باپ سے ناراض رہتی ہے اور ان کو سلام کرنا بھی گوارا نہیں کرتی' وہ ابا سے جتنی نالاں اور متنفر رہتی' لیکن ایک بات حتمی تھی کہ امی سے اسے بہت محبت تھی' لیکن اسے محبت کا مظاہرہ کرنا نہیں آتا تھا۔ اس کی زبان ہمیشہ کڑوی ہی رہتی۔ نینا اپنے خرچے مختلف ٹیوشن پڑھا کر پورے کرتی ہے۔ اس کی بہن زری ٹیلی فون پر کسی لڑکے سے باتیں کرتی ہے۔

سلیم کی محلے میں چھوٹی سی دکان تھی۔ چند سال پہلے میٹرک کا رزلٹ پتا کر کے وہ خوشی خوشی گھر واپس آرہا تھا کہ ایک گاڑی سے اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے اور وہ ایک ٹانگ سے معذور ہو جاتا ہے۔ ذہنی بیمار ہونے کی وجہ سے اس کی ماں نے مثبت قدم اٹھاتے ہوئے محلے میں ایک چھوٹی سی دکان کھلوا دی' سلیم نے پرائیویٹ انٹر کر کے بی اے کا ارادہ کیا۔ سلیم کی غزل احمد علی کے نام سے ایک ادبی جریدے میں شائع ہو جاتی ہے' جو اس نے نینا کے ہاتھ بھجوائی تھی۔

صوفیہ کا تعلق ایک متوسط گھر سے تھا۔ وہ اپنی بہنوں میں قدرے دبی ہوئی رنگت کی مالک' لیکن سلیقہ شعاری میں سب سے آگے تھی۔ صوفیہ کی شادی جب کاشف نثار سے ہوئی تو پورے خاندان میں اسے خوش قسمتی کی علامتی مثال بنا دیا گیا۔ کاشف نہ صرف چلتے ہوئے کاروبار کا اکلوتا وارث تھا' بلکہ وجاہت کا اعلا شاہکار بھی تھا۔ کاشف خاندان کی ہر لڑکی اور

Downloaded From Paksociety.com
READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

READING Section

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

دوستوں کی بیویوں سے بہت بے تکلف ہو کر ملتا' جو صوفیہ کو بہت ناگوار گزرتا تھا۔ صوفیہ کو خاص کر اس کے دوست مجید کی بیوی حبیبہ بہت بری لگتی تھی۔ جو بہت خوب صورت اور ماڈرن تھی اور اس کی خاص توجہ کاشف کی طرف رہتی۔ حبیبہ کی وجہ سے کاشف اکثر صوفیہ سے کیے ہوئے وعدے بھول جاتا تھا۔ صوفیہ کے شک کرنے پر کاشف کا کہنا تھا کہ یہ اس کا کاروباری تقاضا ہے۔

بی بی جان' صوفیہ کی ساس کو کاشف سے جھگڑا کرنے سے منع کرتی ہیں' لیکن صوفیہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھی اور اکثر و بیشتر کاشف سے بحث کرنے لگتی جو کاشف کو ناگوار محسوس ہوتا۔ صوفیہ پریگننٹ ہو جاتی ہے اور بی بی جان کاشف سے صوفیہ کا خیال رکھنے کو کہتی ہیں۔

شہرین نے ضد کر کے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف جا کر سمیع سے شادی تو کر لی' لیکن پچھتاوے اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ حالانکہ سمیع اسے بہت چاہتا ہے' اس کے باوجود اسے اپنے گھر والے بہت یاد آتے ہیں اور وہ ڈپریشن کا شکار ہو جاتی ہے اور زیادہ تر پلز لے کر اپنے بیڈ روم میں سوئی رہتی ہے۔ سمیع نے اپنی بیٹی ایمن کی دیکھ بھال کے لیے دور کی رشتہ دار اماں رضیہ کو بلا لیا جو گھر کا انتظام بھی سنبھالے ہوئے تھیں۔ سمیع اور شہرین دونوں ایمن کی طرف سے لاپروا ہیں اور ایمن اپنے والدین کی غفلت کا شکار ہو کر ملازموں کے ہاتھوں پل رہی ہے۔ اماں رضیہ کے احساس دلانے پر سمیع غصہ ہو جاتا ہے اور ان کو ڈانٹ دیتا ہے۔ شہرین کے بھائی بہن راستے میں ملتے ہیں اور سمیع کی بہت بے عزتی کرتے ہیں۔

سلیم' نینا سے محبت کا اظہار کرتا ہے۔ نینا صاف انکار کر دیتی ہے۔ سلیم کا دل ٹوٹ جاتا ہے' لیکن وہ نینا سے ناراض نہیں ہوتا اور ان کی دوستی اسی طرح قائم رہتی ہے۔ نینا کے ابا بیوی سے سلیم سے نینا کی دوستی پر ناگواری ظاہر کرتے ہیں اور بیوی سے کہتے ہیں کہ اپنی آپا سے نینا اور سلیم کے رشتے کی بات کریں۔

زری کے نمبر پر بار بار کسی کی کال آتی ہے۔ اور زری ماں سے چھپ کر اس سے باتیں کرتی ہے۔

نینا کی اسٹوڈنٹ رانیہ اسے بتاتی ہے کہ ایک لڑکا اسے فیس بک اور واٹس ایپ پر تنگ کر رہا ہے "آئی لو یور اپنزل" لکھ کر۔ نینا' سلیم کو بتا کر رانیہ کا مسئلہ حل کرنے کے لیے کہتی ہے۔

حبیبہ کے شوہر مجید کا روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو جاتا ہے۔ وہ اپنا سارا پیسہ کاشف کے کاروبار میں انویسٹ کر دیتی ہے۔ اس کے اور کاشف کے تعلقات بہت بڑھ گئے ہیں۔ کاشف صوفیہ سے چھپ کر حبیبہ سے ملنے جاتا ہے اور صوفیہ کی آنکھوں پر اپنی محبت کی ایسی پٹی باندھ دیتا ہے کہ اسے اس کے پار کچھ نظر آنا ہی بند ہو جاتا ہے۔ حبیبہ کاشف پر شادی کے لیے دباؤ ڈالتی ہے۔ کاشف کے گریز اختیار کرنے پر اپنا روپیہ واپس مانگتی ہے اور یوں پہلی دل فریب کہانی اپنے اختتام کو پہنچ جاتی ہے۔ کاشف انکار کر دیتا ہے۔ حبیبہ غصہ میں کاشف کے تھپڑ مار دیتی ہے۔

شہرین اماں رانیہ کے توجہ دلانے پر ایمن کی سالگرہ جوش و خروش سے ارینج کرتی ہے۔ سالگرہ کا تھیم "راپنزل" رکھتی ہے۔ سالگرہ والے دن شہرین کی امی اور بہنوں کے کوسنے' طعنے اور بددعائیں سارے ماحول کو داغ دار کر دیتی ہیں۔ شہرین سر کے درد کی شدت سے بے ہوش ہو جاتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

آٹھویں قسط

ڈیڑھ گھنٹہ وہ دونوں ہی پریشانی سے ایک دوسرے کے چہرے دیکھتی رہی تھیں۔ ابا بھی واپس دکان پر چلے گئے تھے اور امی اپنا موبائل نہیں اٹھا رہی تھیں۔ وہ دونوں اس دوران دعا کرنے کے سوا کر بھی کیا سکتی تھیں پھر اطلاع آ ہی گئی۔

نوشی باجی کا انتقال ہو گیا تھا اور ڈاکٹرز بچے کو بھی نہیں بچا سکے تھے۔

"میرا دل کہتا تھا یہی ہو گا۔ مہرا کیلی رہ جائے گی.... مجھے پتا تھا مہرا کیلی رہ جائے گی.... مجھے ہمیشہ مہر میں "کونین کاشف نثار" کی جھلک نظر آتی تھی۔ ہمیشہ۔" نینا مرنے والی کا افسوس نہیں کر رہی تھی بلکہ مرنے والی کی باقیات کا

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

افسوس کررہی تھی۔ زری نے دیکھا اس کی آنکھیں بالکل خشک تھیں۔ اسے زیادہ حیرت نہیں ہوئی۔ اس نے نینا کو رونے والے مواقع پر کم ہی روتے دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میرا مشورہ ہے کہ آپ مریضہ کو اعتماد میں لیجیے۔ انہیں ان کی بیماری کے متعلق بتائیے۔ ہوسکتا ہے بہت سے لوگ میری اس بات کی مخالفت کریں لیکن میں سمجھتا ہوں کسی بھی قسم کے مریض سے اس کی بیماری کے متعلق چھپانا بہت بڑی زیادتی ہے۔ برین ٹیومر کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ اس کا علاج۔ پھر اس کے ذیلی اثرات۔ یہ چلنے کے لیے ایک لمبی ناہموار پتھریلی ٹوٹی پھوٹی سڑک کی طرح ہے۔ میں قطعاً" آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔ لیکن یاد رکھیں زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ کل کیا ہوگا یہ کوئی نہیں بتا سکتا ہم صرف علاج کرسکتے ہیں اور وہ ہم کریں گے تاکہ مریض کو فائدہ پہنچ سکے۔ اس لیے مریض کو پتا ہونا چاہیے کہ وہ علاج کی غرض سے جن پروسیجرز سے گزر رہا ہے جن تکالیف کو سہہ رہا ہے۔ وہ سب اس کے فائدے کے لیے ہیں۔ وہ مثبت سوچے گا تو علاج کے نتائج بھی مثبت نکلیں گے۔" ڈاکٹر رضی نے سمیع کو بتایا تھا۔

آج شہرین کو عارضی طور پر ڈسچارج کیا جارہا تھا۔ تین دن بعد بایوپسی کے لیے دوبارہ آنا تھا۔ ڈاکٹر رضی نے اس کا کیس بورڈ کے سامنے رکھا تھا۔ سمیع نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ الفاظ اس کے کانوں تک پہنچ رہے تھے' اس کی سماعتیں سن تو رہی تھیں لیکن سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ اتنا اکیلا تو اس نے اپنے آپ کو زندگی میں کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ کس سے بات کرتا' کس سے اپنا دکھ کہتا۔

"آپ سمجھ رہے ہیں نا میری بات۔" ڈاکٹر رضی اس کی غائب دماغی کو محسوس کرکے بولے تھے۔

"ڈاکٹر صاحب کیا سمجھوں۔ لگتا ہے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی۔ آپ مجھے سچ سچ بتائیں موت شہرین سے کتنی دور ہے۔؟" وہ بہت ٹوٹے ہوئے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ اس کے دل میں لاتعداد خدشات جمع تھے۔

ڈاکٹر رضی نے نفی میں ایسے سر ہلایا کہ سمیع کو اپنے خدشات مزید درست لگنے لگے۔

"سمیع صاحب آپ موت کو کیا سمجھتے ہیں۔ میرا خیال ہے یہ انسانی زندگی کی وہ فیز ہے جسے ضرورت سے زیادہ اہمیت دے دی جاتی ہے' حالانکہ اس کی کوئی اہمیت یا حیثیت نہیں ہوتی۔ یہ ایک پردہ ہے جو دو زندگیوں کے درمیان حائل ہوتا ہے۔ کیمرے کے اندر ایک باریک سا پردہ ہوتا ہے جسے اپرچر کہتے ہیں۔ جب کیمرے کی آنکھ روشنی کو نگل کر اندر لے جاتی ہے تو ایک سیکنڈ کے لیے یہ پردہ اپنی جگہ چھوڑتا ہے۔ روشنی یہاں سے گزر کر پردے پر زندگی سے بھرپور تصویر کو محفوظ کرلیتی ہے اور اپرچر واپس اپنی جگہ پر آجاتا ہے۔

موت ایسا اپرچر ہی ہے جو انسان کو اس فانی سے لافانی دنیا میں لے جاتا ہے۔ اور بس اس کا کام ختم ہوجاتا ہے۔ لیکن یہ کام کب ہوگا کیسے ہوگا۔ یہ تو کوئی نہیں بتا سکتا نا۔ اور پھر میں چوک میں بیٹھا بنگالی بابا تو ہوں نہیں۔ جو الٹی سیدھی پیشنگوئیاں کرکے نوٹ بناتا ہے۔ میں تو معالج ہوں۔ علاج کی حکمت بیان کرسکتا ہوں۔ علاج کرسکتا ہوں۔ میں تو اپنا کام ہی کروں گا نا۔

موت کے متعلق تو کوئی بھی حتمی طور پر نہیں بتا سکتا۔ کون جانتا ہے کہ میں یہاں سے اٹھوں اور دس قدم چل کر ہارٹ اٹیک سے مرجاؤں۔ یا آپ اپنی گاڑی لے کر نکلیں اور سڑک پر کوئی ٹرک آپ کو کچلتا ہوا موت کے گھاٹ اتار دے۔ یہ تو اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ انسان کو اتنا اختیار ہی کب ہے۔" ان کا انداز بارعب اور دبدبے والا تھا لیکن سمیع کو ان کی باتوں سے ذرا سا حوصلہ ضرور ملا۔

"میں یہ سب آپ کو اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آپ خود کو اور باقی اہل خانہ کو ذہنی طور پر تیار کیجیے اور مریضہ کو بھی بتائیے۔ ان کی بیماری کی نوعیت ایسی ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ان کی ذہنی کارکردگی پر فرق پڑسکتا ہے۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت متاثر ہوسکتی ہے۔ بہتر ہے انہیں اپنے مکمل حواسوں کے ساتھ دنیاداری کے تمام جھمیلے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

سمیٹنے دیں اور پھر انسان کے اللہ کے ساتھ بہت سے معاملات ہوتے ہیں۔ جس کی خبر صرف انسان کو ہی ہوتی ہے۔ اسے اپنے لیے کیا مانگنا ہے۔ اللہ کی راہ میں کیا کیا دینا ہے۔ یہ اسے ہی پتا ہوتا ہے۔

اس لیے اپنی اہلیہ کو آگاہ کیجیے تاکہ وہ اللہ کے ساتھ اپنے تجارتی معاملات نبٹا سکیں۔ اپنی توانائی کو بحال رکھتے ہوئے ان کی مدد کیجیے۔" ایک معالج جس قدر نصیحت کر سکتا تھا اتنی تو ڈاکٹر رضی نے کر ہی دی تھی۔ سمیع کے حواس ابھی بھی نارمل نہیں ہو پا رہے تھے۔ اسے تو خود فی الحال حوصلے کی ضرورت تھی۔

"ڈاکٹر رضی.... لیکن یہ کیوں ہوا.... میرا مطلب کوئی تو وجہ ہوگی اس ٹیومر کی۔" وہ خود بھی اپنی کیفیت کو مناسب الفاظ دینے میں ناکام ہو رہا تھا۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ جو پوچھنا چاہتا ہے کیسے پوچھے۔

"یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہم پوری ہسٹری لے کر ہی کچھ کہہ پائیں گے۔ لیکن جیسا کہ آپ نے بتایا مریضہ ذہنی تناؤ کا شکار رہی ہیں۔ اور اینٹی ڈیپریشن کا مسلسل استعمال کرتی رہی ہیں۔ تو شاید یہ وجہ ہو۔ لیکن بہرحال اس بارے میں کوئی بھی معالج حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔" وہ کندھے اچکا کر بولے تھے۔ سمیع نے سر ہلایا لیکن تاسف نے اس کے پورے وجود کا گھیراؤ کیا تھا۔

"میری محبت گھٹن کی طرح کھا گئی تمہیں شہرین۔ کس کس بات کی معافی مانگوں تم سے" وہ سوچ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تم فلم میں کام کرو گے؟" رخشی نے اس سے پوچھا تھا۔

"خدا کی مانو رخشی بیگم۔ بالکل ہی عقل سے پیدل سمجھ لیا ہے کیا۔" وہ ہنس کر بولا تھا۔

"خدا کو تو مانتی ہوں۔ کافر نہیں ہوں میں شہزادے۔ تم میری بات مانو۔ تمہارے جیسے چاکلیٹی ہیروز کی فلم انڈسٹری کو سخت ضرورت ہے۔ وہ جو پرانے پرانے لوگ اپنی ماں باپ کے سہارے ہیرو بنے بیٹھے ہیں۔ پہلی ہی فلم سے سب کی دکانیں بند کر دو گے تم۔" وہ اپنے لہجے پر زور دے کر بولی تھی۔

"تم پاگل ہو رخشی۔" کاشف نے سر جھٹکا تھا۔

"تمہارا قصور ہے۔ تم نے مجھے پاگل کر دیا ہے۔" وہ منہ پھٹ تو تھی ہی۔ ترکی بہ ترکی بولی تھی۔

"خوب صورت عورتوں کو پاگل کرنا میری مشغلہ ہے۔" وہ بھی اسی کے انداز میں بولا تھا۔ رخشی نے قہقہہ لگایا۔

"اس مشغلے کو کاروبار بھی بنایا جا سکتا ہے۔" وہ مشورہ دے رہی تھی۔ کاشف نے ہنسی روکتے ہوئے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"تم سمجھتے کیوں نہیں ہو۔ ایک ہی فلم سے تم زمین سے آسمان پر پہنچ جاؤ گے۔ شہرت تو ملے گی ہی۔ دولت بھی چھپر پھاڑ کر آئے گی۔" وہ سمجھا رہی تھی۔

"نہیں بھئی مجھے ایسے کوئی شوق نہیں ہیں۔" کاشف نے پہلے انکار کر دیا لیکن چند دن بعد ایک محفل موسیقی سے واپسی پر جہاں رخشی نے اسے بطور خاص مدعو کیا تھا۔ واپسی پر گاڑی میں ہی رخشی نے یہ موضوع چھیڑ دیا۔

"تم نے دیکھا تھا کتنے اداکار آئے ہوئے تھے۔ خرم ملک کو دیکھا تھا۔ کتنا برا لگ رہا تھا۔ جھریاں اور آنکھوں کے حلقے نہیں چھپتے اب اس کے کسی بھی میک اپ سے۔ جتنا مرضی چوچا کا کا بن لے۔ چہرے سے پتا چل جاتا ہے کہ ستر سال کا ہو گیا ہے۔" اسی ہیرو جس کے سامنے وہ اسے سر جی سر جی کہہ کر گفتگو کرنے کے بہانے ڈھونڈتی رہی تھی اس کے بارے میں بات کرتے ہوئے وہ طنزیہ انداز اپنا کر بولی تھی۔

"ستر کا نہیں ہو گیا یار۔ چالیس بیالیس کا ہو گا۔ اتنا برا تو نہیں لگ رہا تھا۔ اچھا خاصا وجیہہ لگ رہا تھا۔" کاشف

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

نے اس کی بات کی تردید کی تھی۔
"تم اس لیے کہہ رہے ہو یہ سب کیونکہ تم نے اسے نزدیک سے نہیں دیکھا تھا۔ تمہیں اس کے چہرے پر وہ موٹا موٹا میک اپ نظر نہیں آیا جو مجھے نظر آرہا تھا۔ بالکل گنجا ہو گیا ہے۔ وگ پہنی ہوئی تھی۔ چالیس بیالیس کا تو اس کا بیٹا ہو گا اب" وہ اسی انداز میں کچھ زیادہ ہی مبالغہ آرائی کرتی ہوئی بولی تھی۔
"اس کے باوجود اس نے آپ کو بہت اچھا مین ٹین کیا ہوا ہے۔ توند بالکل نہیں نکلی ہوئی تھی۔ سنا ہے کسی بہت مہنگے جم میں جاتا ہے۔ ابھی بھی ساری محفل کی جان تھا وہ۔ ہر چیز پر اس کے آتے ہی جیسے رونق سی چھانے لگی تھی۔" کاشف نے بھی اخبار میں پڑھے ہوئے کسی پرانے انٹرویو کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی رائے ظاہر کی تھی۔
"یہی تو فائدہ ہوتا ہے ہیروز کو۔ ہر چیز تک ان کی رسائی ہو جاتی ہے۔ جم بھی جاتے ہیں۔ اسکن کے ڈاکٹرز سے گولیاں بھی لے لے کر کھاتے ہیں تاکہ جوان نظر آئیں اور پھر دوسری بات خوب کہی تم نے۔ مجھے تو ذرا پسند نہیں یہ خرم ملک۔ اس کا سارا چارم کیمرے تک محدود ہے۔ ان جیسوں کو پبلک کے سامنے پیش ہی ایسے کیا جاتا ہے کہ دیکھنے والا دیکھتا ہی رہ جاتا ہے۔ جبکہ تم جیسے کسی میک اپ کسی کیمرے کی روشنی کے محتاج نہیں ہوتے۔ اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہتی ہوں کاشف نثار' تمہارے اندر ایک بہت بڑا ہیرو چھپا ہوا ہے۔" وہ اتنی لمبی تمہید کے بعد اپنا موقف بیان کر رہی تھی۔ کاشف نے گردن اکڑاتے ہوئے اس کی جانب دیکھا اور پھر اپنے زعم اور احساس تفاخر پر ذرا سا قابو پا کر بولا۔
"میری تعریف کرنے کا کوئی موقع ضائع نا کیا کرو تم۔"
"کیوں کروں۔" وہ اپنے مخصوص چلبلے انداز میں بولی پھر مشہور پنجابی گیت گنگنانے لگی تھی۔
"منڈہ شہر لوردا۔ میرے دل تے تیر چلاوے۔" کاشف نے قہقہہ لگایا۔
"تم ہنستے جاؤ۔ لیکن میری بھی ضد ہے۔ تمہیں ہیرو بنا کر ہی چھوڑوں گی۔" وہ ہنستے ہوئے جتانے والے انداز میں بولی تھی۔
"تمہاری باتیں سن سن کر لگتا ہے۔ اس سمندر میں اترنا ہی پڑے گا۔ ایک آدھ فلم کرنی ہی پڑے گی۔" کاشف نے بھی رضامندی ظاہر کر دی تھی۔
"ایک آدھ کر کے دیکھو۔ لائن نا لگ گئی پھر کہنا۔" وہ اسے مزید چڑھا رہی تھی۔ کاشف نے سر ہلایا تھا۔
رخشی پہلی ملاقات سے ہی اسے' اس کی شخصیت کو' اس کے خدوخال قد کاٹھ کو اتنا دل کھول کر سراہتی تھی کہ وہ دل ہی دل میں خود کو واقعی شہزادہ سمجھنے لگا تھا۔ پہلے بھی اس کے سراہنے' چاہنے والے کم نہیں رہے تھے لیکن رخشی نے تو جیسے اس کی تعریفوں کے پل باندھنے کا ٹھیکا ہی لے لیا تھا۔ وہ ڈیڑھ مہینے کی شناسائی میں اسے اپنے ساتھ فلم انڈسٹری کی جانب سے منعقد کی جانے والی پارٹیز میں بھی لے گئی تھی۔

یہ کاشف سے کسی طور ڈھکا چھپا نہیں تھا کہ پنجابی فلموں کے دور میں کس علاقے کے لوگ راج کر رہے تھے اور فلم انڈسٹری کی کیا حیثیت تھی لیکن پھر بھی اسے اچھا لگنے لگا تھا۔ ایسی پارٹیز میں زیادہ تر عورتیں رخشی کی طرح بہت کھلے ڈھلے انداز والی تھیں۔ شراب کے نشے میں باربی کیو اور سگریٹ کے دھوئیں کے ساتھ رقص و سرور والی یہ محفلیں اس کے لیے ایک نیا مختلف اور انوکھا تجربہ تھا۔ اسی لیے جب رخشی نے اسے فلم میں ہیرو بننے کی پیش کش کی تو وہ بظاہر انکار کرتا رہا لیکن دل میں یہ شوق ضرور سر اٹھنے لگا تھا کہ کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔

☆ ☆ ☆

نوشی باجی آپریشن تھیٹر میں پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہو چکی تھیں۔ انہیں اندرونی چوٹیں آئی تھیں جس کا پتا چلنا

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

مشکل تھا کیونکہ ان کی زچگی قریب تھی اور ڈاکٹر ضروری ٹیسٹ کرتے ہوئے کترا رہے تھے۔ اسی لیے فوری سرجری کی ہدایت کی گئی تھی لیکن تمام تر عجلت کے باوجود ان کی جان نہیں بچائی جاسکتی تھی۔ یہ ایک بہت بڑا صدمہ تھا۔ نینا اور زری ابا کے ساتھ ان کے گھر ہی پہنچ گئے تھے۔ میت اگرچہ ابھی تک گھر نہیں پہنچی تھی لیکن محلے والے اور کچھ رشتہ دار جمع ہو چکے تھے۔ کہرام مچا ہوا تھا۔

نوشی باجی کی ساس خوب اونچی آواز میں بین ڈال رہی تھیں۔ ان دونوں کو دیکھا تو اٹھ کر آئیں اور باری باری دونوں کے گلے لگ کر پانچ منٹ تک مسلسل روتی رہیں۔ زری کے آنسو بھل بھل گرنے لگے تھے۔ نینا نے خود کو ان سے علیحدہ کیا اور پھر تلخ سے انداز میں پوچھنے لگی۔

"مہر کہاں ہے؟" نوشی باجی کی ساس نے ان کی جانب دیکھا پھر ناک صاف کرتے ہوئے بولیں۔

"وہ اپنی پھپھی کے پاس بیٹھی ہے۔ اسے وہیں رہنے دو۔ بچی ہے گھبرا جائے گی۔ تم لوگ یہاں میرے پاس بیٹھو۔"

"ہم یہاں بیٹھ کر کیا کریں خالہ جی۔ ہم بھی اس کی پھپھی کے پاس چلے جاتے ہیں۔" نینا ایک بھی آنسو بہائے بغیر بولی تھی۔ زری نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ وہ موقع کی نزاکت کا احساس کیے بغیر بدتمیزی پر اتر آئی تھی۔ یہ بھی اس کے مزاج کا مخصوص حصہ تھی۔

"آئے ہائے بیٹی۔ بہت پیار تھا تمہیں مرنے والی سے۔ کچھ دیر تو یہاں بیٹھ کر غم منالو۔" وہ اس سے مصنوعی روہانسے انداز میں بولیں۔ نینا نے ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں انہیں دیکھا۔ زری کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجی تھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ اسے کچھ کہتی۔ نینا نے اس کا ہاتھ پکڑا اور نوشی باجی کی ساس کی طرف منہ کر کے بولی۔

"اب کاہے کا غم کریں خالہ جی۔ آپ جاری رکھیں اپنی سرگرمی۔ ہم مہر کے پاس بیٹھتے ہیں۔" اتنا کہہ کر وہ کمرے کی جانب آگئی تھی۔ زری کو اس کی دماغی حالت پر شبہ سا ہوا ہوا۔ اس نے دعا کی تھی کہ امی لوگ اسپتال سے میت کے ساتھ جلدی سے آجائیں۔ وہ نینا کی بدتمیزی کی وضاحتیں نہیں دے سکتی تھی۔

☆ ☆ ☆

"میں نے کہا تھا نا کہ کاشف نثار کے اندر ایک ہیرو قید ہے؟" رخشی نے اس کی تصویر کو سراہنے والے انداز میں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ دونوں سید اسحاق گل کے اسٹوڈیو میں بیٹھے تھے' اس کی تصویریں ان کے سامنے بکھری تھیں جبکہ وہ رخشی کے ساتھ ان کی میز کے بالکل سامنے بیٹھا تھا۔ فلم انڈسٹری کے لیے عرصے سے کام کرنے والے ایک بہت ہی ماہر فوٹوگرافر نے اس کا پورٹ فولیو تیار کیا تھا۔

نئے اسٹائل کا ہیر کٹ اور شیو بنوانے والے کے لیے اس نے مہنگے ترین اسٹائلسٹس سے مشورے لیے تھے۔ کپڑے جوتے اور گھڑیاں تو اس کے شوق میں شامل تھیں ہی لیکن اب وہ ان چیزوں کو مزید اسٹائلش طریقوں سے استعمال کرنے کے گر سیکھ رہا تھا۔ رخشی کو ہر کام کی جلدی تھی اور اس کے جلدی مچانے کے نتائج اتنے حیران کن تھے کہ کاشف نثار کو مزا آنے لگا تھا۔ اسے وجیہہ نظر آنے کا پہلے بھی خبط تھا اور رخشی کے زندگی میں آنے کے بعد اس شوق میں مزید اضافہ ہوا تھا۔ وہ پہلے سے کہیں زیادہ نکھر کر سامنے آیا تھا۔

رخشی نے اسے چند پروڈیوسرز سے بھی ملوایا تھا۔ وہ سب کاشف کو دیکھ کر بہت متاثر تھے اور انہوں نے اس کی بہت حوصلہ افزائی کی تھی۔ وقتی طور پر اس کی توجہ اپنے کام اور گھر سے ہٹتی جارہی تھی لیکن وہ صوفیہ کو ذرا سا بھی شک نہیں ہونے دیتا تھا۔ صوفیہ اس بار زچگی کے لیے اپنی امی کے گھر جانے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن ابھی ساتواں

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

مہینہ شروع ہونے میں چند دن باقی تھے لیکن کاشف اپنے رویے سے اسے اس قدر اعتماد میں لے چکا تھا کہ اسے اب کاشف کی ساری سرگرمیاں صرف کاروباری تقاضے نظر آتے تھے۔ رخشی اسے ایک بڑے ڈائریکٹر سے ملوانے کے لیے لائی تھی۔

"اس میں تو کوئی شک نہیں۔ بندہ تو بڑا کمال کا ڈھونڈ کر لائی ہو رخشی بیگم۔" وہ خالصتاً" فلمی انداز میں اس کی تعریف کر رہے تھے۔

"رخشی نے پہلے کبھی کوئی عام بندہ ملوایا ہے آپ سے سر جی۔" وہ ذو معنی انداز میں مسکرا کر پوچھ رہی تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن کیا اسے کچھ آتا ہے بھی یا صرف شکل ہی شکل ہے؟" انہوں نے استفہامیہ انداز میں کاشف کا چہرہ دیکھا۔

"میرا مطلب ہے فلم کے لیے اور بھی بہت سے لوازمات درکار ہوتے ہیں۔ فلم خالی خولی خوب صورت ہیرو سے نہیں بن جاتی۔ اداکاری وہ بھی فلمی اداکاری بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ اپنے جذبات کو ڈائیلاگ کے ساتھ ملا کر پبلک کے خون کو گرمانا کوئی عام بات ہے کیا۔ پھر گھڑ سواری، سوئمنگ۔ رقص۔ بھی آنا چاہیے۔ یہ سب کرلیں گے تمہارے کاشف صاحب۔" ان کا انداز استہزائیہ سا تھا۔

"بالکل کرلیں گے۔ آپ کاشف صاحب کو ہلکا نہ لیں۔" رخشی لجاجت بھرے لہجے میں بولی تھی۔

"ہلکا تو بالکل نہیں لے رہا۔ بندہ تو غضب کا لائی ہو۔ لیکن اناڑی ہے۔ انڈسٹری کی صورت حال تم جانتی ہی ہو۔ اناڑیوں پر محنت کرنے کا حوصلہ ختم ہو گیا ہے اب مجھ میں۔"

"آئے ہائے۔ آپ کون سا بوڑھے ہو گئے ہیں جو حوصلہ ختم ہو گیا ہے۔ آپ ذرا غور کریں۔ میرا مشورہ ہے کہ ایک بار رسک لے کر دیکھیں۔ رخشی آپ کی خیر خواہ ہے۔ آپ کا نمک کھایا ہے۔ اچھی چیز سب سے پہلے آپ کو دکھاتی ہوں۔ کاشف میں ہیرو بننے کا بہت مارجن ہے۔ ان کو چانس دے کر دیکھیں۔ آپ میرے فیصلے کو داد دیں گے۔" وہ منت بھرے انداز میں بولی۔

کاشف کو یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔ جب اس میں 5+ پوٹینشل تھا۔ سارے پروڈیوسرز اس کی تعریف کر رہے تھے تو ایک ڈائریکٹر کی منت کیوں کرتا وہ۔ لیکن وہ خاموش رہا تھا کیونکہ رخشی نے اسے پہلے ہی ہدایت کی تھی کہ کسی بات میں دخل اندازی نہیں کرے گا۔

"ہوں۔ اب تم اتنا اصرار کر رہی ہو تو کرنا ہی پڑے گا کچھ۔ اچھا بھئی کاشف نثار۔ ہیروئن کے بھائی کا رول کرلو گے۔ ایک آدھ ہیروئن بھی ہو گی ساتھ۔ رونے دھونے اور جذباتی طور پر پبلک کا دل جیتنے کا بڑا موقع ملے گا اس رول میں۔ ہیرو تو نہیں لیکن سائڈ ہیرو ضرور بنا سکتا ہوں۔" وہ ہنکارا بھر کر بولے تھے۔ کاشف نے ناگواری سے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں....." رخشی نے آنکھیں نکال کر اسے دیکھا پھر اس سے پہلے کہ وہ اس کے انکار کی کوئی وضاحت دیتی۔ کاشف نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا تھا۔

"میں کسی ایسی تھرڈ کلاس فلم میں کام کرنا ہی نہیں چاہتا جس میں دو دو من کی ہیروئن کو کندھوں پر اٹھا کر ٹھمکے لگانے پڑیں یا کرتے کے گریبان کو پھاڑ کر بڑکیں مارنی پڑیں..... کوئی اچھی چیز ہو تو بتائیے ورنہ ایسی کوئی مجبوری تھوڑی ہے مجھے..... وہ تو رخشی ہی اصرار کرتی رہتی ہے ورنہ مجھے کوئی شوق نہیں کسی فلم میں کام کرنے کا۔" وہ ناک چڑھا کر بولا تھا۔ سید اسحاق گل کے چہرے کے تاثرات یکدم بگڑے۔

"اسی لیے تو میں نے کہا کہ اناڑی بندہ ہے..... ایسے بندوں کو پرفارمنگ آرٹ کی الف بے بھی نہیں پتا ہوتی..... فلم کتنا بڑا اور اہم میڈیم ہے ایسے لوگ سوچ بھی نہیں سکتے..... ان کے لیے فلم فقط ہیروئن کے لالی ووڈ سے شروع

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ہو کر اس کے براندے اور اس کے رنگین کپڑوں سے ڈھکے جسم تک محدود رہتی ہے۔۔۔ جس کو فلم کی اہمیت ہی نہیں پتا۔۔۔ وہ فلم میں کام خاک کرے گا" سید اسحاق گل صاحب کے انداز میں اس قدر تضحیک تھی کہ کاشف نثار کے ماتھے پر ناگواری کی تیوریاں نمایاں ہونے لگیں۔

"جس طرح کی فلمیں آپ بنا رہے ہیں۔۔۔ ایسی فلم کی اہمیت تو واقعی نہیں پتا مجھے۔۔۔ تھکے ہوئے اداکار۔۔۔ ننگے ناچ اور وہی ڈزڈز ٹھاٹھاہ کرتے مصنوعی ہتھیاروں سے معاشرے کی جو خدمت آپ لوگ کر رہے ہیں وہ آپ کو ہی مبارک ہو بھئی۔۔۔ میری طرف سے سات سلام ایسی فلم کو۔۔۔" کاشف استہزائیہ انداز میں ہنسا تھا۔ سید اسحاق گل ایک بڑا پروڈیوسر ڈائریکٹر تھا۔ اس کا پارہ یکدم ہائی ہوا تھا۔

"ارے برخوردار اتنا ہی جوش اٹھ رہا ہے معاشرے کا تو خود کوئی فلم کیوں نہیں بنا لیتے۔ آخر ہم بھی تو دیکھیں کہ پھر فلم کیسی ہوتی ہے۔۔۔ بناؤ فلم تو پتا چلے نا ورنہ باتیں کرنے والے تو یہاں وہاں بکھرے پڑے ہیں۔۔۔ اور اگر یہ سب نہیں کر سکتے تو اپنا بوریا بستر اٹھاؤ اور رفو چکر ہو جاؤ اور دوبارہ کبھی اسٹوڈیو میں نظر نا آنا' یہ نا ہو کہ مجھے اپنے ملازموں سے باہر کا راستہ دکھانا پڑے۔" یہ آخری وار بڑا کاری تھا۔ کاشف اپنی جگہ سے اٹھا اور پھر کھا جانے والی نظروں سے اپنے سامنے بیٹھے اس ڈائریکٹر کو دیکھا۔

"ایسا ہے تو پھر اب آپ کو فلم بنا کر دکھانی ہی پڑے گی۔۔۔ دکھاؤں گا بھی اور سکھاؤں بھی کہ فلم کہتے کسے ہیں" اس نے سید اسحاق گل کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا تھا۔ یہ بھی ایک کھلا چیلنج تھا۔ وہ واقعی کسی فلمی ہیرو کی طرح بڑک مار کر باہر نکلا تو رخشی نے چند لمحے سوچا پھر وہ بھی کاشف کے ساتھ باہر نکل آئی تھی۔

"تم واقعی فلم بنانے کا ارادہ رکھتے ہو؟" اسی روز شام کو جب کاشف اس ڈائریکٹر سے جھگڑ کر نکلا تو رخشی نے اس سے فون پر پوچھا تھا۔ کاشف اپنے شوروم میں تھا لیکن اس کا دماغ اور دل ابھی تک وہیں اسی ڈائریکٹر کے کمرے میں بھٹک رہا تھا۔ اسے سخت بے چینی ہو رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ فٹافٹ ایک اعلا سی فلم بنا کر اس کے منہ پر دے مارے۔

ڈیڑھ دو مہینے کے عرصے میں اس نے رخشی جیسی بی گریڈ ڈانسر کے ساتھ وقت گزارا تھا۔ رقص و سرور سے بھرپور رنگیلی تقریبات میں شرکت کی تھی۔ کچھ تھکے ہوئے اداکاروں اور پروڈیوسرز کی محافل میں بیٹھ کر سگریٹ پھونکے تھے اور اسے لگنے لگا تھا کہ یہ تو کوئی کام ہی نہیں تھا جو وہ نہیں کر سکتا تھا۔ اسے قدرت نے اتنی اچھی شکل دی تھی۔ وہ اس کے سہارے بڑی بڑی باتیں کرنے والے سید اسحاق گل اینڈ کمپنی کے منہ بند کر سکتا تھا۔

"میں دوغلا اور منافق کبھی نہیں رہا۔۔۔ جو کہا ہے وہ کر کے دکھاؤں گا۔۔۔ تم مجھے بتاؤ مجھے ابتدا کہاں سے کرنی چاہیے؟" وہ ٹھوس لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"صدقے جاؤں۔۔۔ میں نے جیسا تمہارے بارے میں سوچا تھا۔۔۔ قسم خدا کی تم اس سے کہیں زیادہ اچھے اور سمجھ دار انسان ہو۔۔۔ اب رخشی ٹھونک بجا کر حلفیہ یہ کہہ سکتی ہے کہ انڈسٹری کو کاشف نثار جیسے مرد کی ہی ضرورت ہے۔۔۔ تم فکر مت کرو۔۔۔ رخشی تمہارے ساتھ ہے" وہ بہت جوش سے بولی۔

☆ ☆ ☆

"مجھے کیا ہوا تھا؟" شہرین نے سرہانے کے سہارے بیٹھتے ہوئے سوال کیا تھا۔ اس کی ڈرپس سب ختم ہو چکی تھیں۔ نرس کچھ دیر پہلے ہی پرنولا وغیرہ اتار کر انہیں فارغ کر چکی تھی۔ اس کے چہرے پر نقاہت کے آثار تو تھے لیکن وہ پہلے سے بہتر نظر آتی تھی جبکہ سمیع خود کو برسوں کا بیمار سمجھ رہا تھا۔ اس کا دماغ بالکل ماؤف تھا۔ ایک سوچ آ رہی تھی' ایک جا رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے زندگی اس کے لیے اس مقام پر اس کے ہاتھ سے نکلتی جا رہی ہے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

حالانکہ ڈاکٹر رضی نے اسے کافی ہدایات اور تسلیاں دی تھیں لیکن برین ٹیومر کا لفظ ہی ایک ایسا آکٹوپس تھا جس نے سمیع کے حواسوں کو جکڑ لیا تھا۔

"مجھے کیا ہوا تھا سمیع....؟" شہرین نے اس کی خاموشی سے اکتا کر دوبارہ سوال کیا تھا۔ اسے اپنی امی اور بہنوں کا رویہ تو یاد تھا اور اسے یہ بھی احساس تھا کہ ان کی باتوں نے اسے ہرٹ کر دیا تھا تب ہی اس کی طبیعت بگڑ گئی تھی لیکن وہ سمیع کی جامد خاموشی سے زیادہ بے چین تھی اور چاہتی تھی کہ سمیع چپ نا رہے۔ سمیع نے اس کا چہرہ دیکھا۔

"عشق.... ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ تمہیں عشق ہوا تھا۔" وہ بدقت مسکرا کر بولا تھا اور بیڈ کی ساتھ والی تپائی پر پڑی چند ضروری چیزیں سمیٹنے لگا تھا۔ وہ گھر جا رہے تھے۔ شہرین کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی۔

"تھا نہیں.... ہے.... مجھے ابھی بھی تم سے عشق ہے۔" وہ اسی کے انداز میں لیکن ابھی بھی پر زور دے کر بولی تھی اور پھر بغور اس کے چہرے کی جانب دیکھا تھا۔ یہ ایک عجیب میکانکی عمل تھا۔ وہ اس بات پر شرمندہ تھی کہ اس کے گھر والے ہمیشہ سمیع کے خلاف رہتے تھے اور وہ اس کی دل جوئی کرنے کی بجائے خود بیمار ہو کر بستر پر پڑ جاتی تھی۔ یہ بہت ضروری تھا کہ وہ اپنے الفاظ سے کبھی کبھی سمیع کے ٹوٹے دل اور مجروح جذبات کو پر سکون کرنے کی کوشش کر سکے اور یہ بات وہ بہت اچھی طرح جانتی تھی کہ سمیع کو محبت کا والہانہ اظہار ہمیشہ بے حد خوش کر دیتا تھا۔

وہ اس کے چہرے کی جانب ہی دیکھ رہی تھی آیا وہ کیسا خوشگوار ردعمل ظاہر کرتا ہے۔ وہ توقع کر رہی تھی کہ وہ خوشی سے نہال ہو گا اور مزید کچھ کہے گا لیکن وہ تو مسکرایا تک نہیں تھا۔ اس کی جانب دیکھا تھا نا ہی اس کی بات کا جواب دیا تھا۔

"چلیں...." وہ اس کی جانب دیکھے بنا بولا تھا۔ شہرین کو اس کا انداز بہت بجھا ہوا لگا۔ وہ بیڈ سے ٹانگیں لٹکا کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے کہنے پر اپنی جگہ سے اٹھی اور پھر اس کے برابر آ گئی۔ سمیع نے کچھ کہے بنا اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور پھر وہ ہاسپٹل کے کمرے سے باہر نکل آئے تھے۔ شہرین کو اس کی خاموشی پر حیرت بھی ہوئی۔ ادائی وغیرہ وہ سب کر چکا تھا۔ اس لیے اطمینان سے لمبے سے کوریڈور سے گزر کر وہ اسپتال کے گلاس ڈور سے باہر نکل آئے تھے۔ دھوپ اور اس کی حدت نے استقبال کیا تھا لیکن گرمی میں زیادہ شدت نہیں تھی۔ ہوا بھی مسلسل چل رہی تھی۔ اس لیے شہرین کو موسم خوش گوار سا لگا۔

"تم یہاں کھڑی ہو.... میں پارکنگ سے گاڑی لے کر آتا ہوں۔" باہر نکل کر جہاں تین چار اسٹیپس بنے تھے سمیع نے اس کا ہاتھ چھوڑنا چاہا تھا لیکن اس نے مزید مضبوطی سے تھام لیا۔

"میں بھی ساتھ چلتی ہوں نا...." اس نے کہا تھا اور ساتھ ہی پہلا اسٹیپ اتری تھی۔

"نہیں تم رکو.... زیادہ چلنا پڑے گا، تم تھک جاؤ گی۔" سمیع نے انکار کیا تھا۔

"تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے حیدر آباد گاڑی پارک کر آئے ہو.... یہ اسپتال کے پیچھے تو پارکنگ ہے۔ اتنا سا چل کر نہیں تھکوں گی میں۔" وہ قطعیت سے بولی تھی۔ سمیع بھی اسٹیپ اترنے لگا تھا۔

"میں نے تو اس لیے کہا تھا کہ تم تھک جاؤ گی۔ یہاں تو پارکنگ کی جگہ تھی ہی نہیں۔ میں نے بالکل باہر کی طرف پارک کی ہوئی ہے گاڑی۔"

"نہیں تھکوں گی میں.... ذرا سا سر درد اور بلڈ پریشر ہائی ہوا ہے میرا.... کینسر نہیں ہو گیا مجھے جو بار بار تھک جاؤ گی، تھک جاؤ گی کی گردان کر رہے ہو.... تمہارے ساتھ واک کرنا اچھا لگتا ہے مجھے۔" وہ چڑ کر بولی تھی لیکن سمیع اس کے منہ سے لفظ "کینسر" سن کر جامد سا ہو گیا تھا۔ اس نے تینوں اسٹیپس اتر کر اتنے تھکے ہوئے انداز میں

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

قدم بڑھائے تھے کہ شہرین چونکے بنا نا رہ سکی۔
"مجھے تو لگتا ہے تم تھک گئے ہو۔۔۔ میری وجہ سے تمہیں بہت خوار ہونا پڑتا ہے لیکن تم فکر نا کرو۔۔۔ تمہاری ساری خواری ختم ہونے والی ہے۔" وہ اس کو صرف ہنسانے کے لیے نیم مزاحیہ سا انداز اختیار کر رہی تھی لیکن سمیع نے اسے ٹوک دیا۔
"چپ کرو شہرین۔۔۔ باقی باتیں گھر جا کر کر لینا۔ کتنا بولتی ہو تم۔" شہرین کو اس کے انداز پر حیرت ہوئی۔
"وقت بدل گیا ہے اور وقت بدل جاتا ہے۔" وہ گہری سانس بھر کر بولی تھی۔
"یہ کس نے کہا؟" سمیع کو احساس ہوا تھا کہ اس پر طنز کیا گیا ہے۔ اس لیے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔
"صنم بلوچ نے کہا تھا۔۔۔ ایک ڈرامے میں۔۔۔" شہرین ناک چڑھا کر بولی تھی۔
"غلط کہا تھا۔۔۔ ہمارا مشکل وقت تو بدلا ہی نہیں کبھی۔" شہرین کا ہاتھ ابھی بھی اس کے ہاتھ میں تھا جسے شہرین نے چھڑانا چاہا تھا۔
"کیا ہوا سمیع۔۔۔ سب ٹھیک ہے نا۔۔۔ ایمن ٹھیک ہے؟" وہ اس کے جملے سے زیادہ اس کے انداز سے پریشان ہوئی تھی۔
"ہاں بالکل۔۔۔" ابھی بھی اس کے انداز میں کچھ ایسا تھا کہ شہرین اپنی جگہ پر رک گئی۔ سمیع کو بھی توقف کرنا پڑا۔
"کیا ہوا۔۔۔ رک کیوں گئی ہو؟" وہ اس کی جانب دیکھے بنا پوچھ رہا تھا۔ شہرین اس کے سامنے آگئی تھی۔
"تم میری طرف دیکھ کیوں نہیں رہے۔ میں کب سے یہ بات نوٹس کر رہی ہوں۔ تم نے ایک بار بھی میری طرف نہیں دیکھا۔" وہ شکوہ نہیں کر رہی تھی بلکہ اپنی پریشانی کا اظہار کر رہی تھی۔
"یہ بات تو نہیں ہے شہرین۔" سمیع نے لاچاری سے کہتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ سورج کی روشنی اس کے چہرے کا احاطہ کر رہی تھی۔ آنکھوں کے نیچے حلقے مزید نمایاں ہونے لگے تھے۔
"سب خیریت ہے نا؟" وہ پوچھ رہی تھی سمیع سے چند لمحے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔
"ایک ہی بات بار بار کیوں پوچھ رہی ہو۔" وہ پھر مسکرایا تھا۔
"اتنا پریشان کیوں ہو۔۔۔ میری وجہ سے بالکل بھی پریشان مت ہو۔۔۔ میں اتنی جلدی مرنے ورنے والی نہیں ہوں۔۔۔ اور ذرا سے سر درد سے کوئی مرتا بھی نہیں ہے۔" وہ اسے تسلی بھی ایسے دے رہی تھی کہ سمیع کا چہرہ مزید بجھنے لگا' پھر اس نے اپنی شرٹ میں اٹکائے ہوئے سن گلاسز اتار کر شہرین کی آنکھوں پر لگا دیے تھے۔
"اللہ نا کرے شہرین۔۔۔ ایسی باتیں مت کرو۔ اللہ کرے میری عمر بھی تمہیں لگ جائے۔۔۔ اللہ کرے تمہیں کبھی کوئی گرم ہوا چھو کر بھی نا گزرے۔" وہ اسے دعا دے رہا تھا۔ شہرین اس کے والہانہ انداز پر مسکرائی تھی۔
سمیع نے پھر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور گاڑی کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ ☆ ☆ ☆
"میں فلم بنانا چاہتا ہوں۔" اس نے پر عزم لہجے میں کہا۔ حبیب رضوی نے اس کی جانب دیکھا اور اس کے انداز کو جی بھر کر داد دی۔
"میں آپ کے حوصلے کی داد دیتا ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا تھا۔ رخشی نے حبیب رضوی کو انڈسٹری کا سب سے شاطر دماغ کہہ کر کاشف سے ملوایا تھا۔ وہ ڈائریکٹر تھا اور نئے نئے تجربات کرتا رہتا تھا۔ اس نے سوالیہ انداز میں ان کی جانب دیکھا۔
"رہا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر پال لیا ہے آپ نے اور پھر ضد بھی یہ ہے کہ آخری کنارے تک جائیں گے۔ یہ

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

آپ کا حوصلہ ہی تو ہے۔" وہ ہنسا تھا۔ رخشی نے یقیناً" اسے کاشف اور اسحاق گل کے جھگڑے کے بارے میں بتا دیا تھا۔ کاشف کو اس کی وجاہت کے بعد کوئی اس کے ہمت و حوصلے کی داد دے رہا تھا۔ اسے اپنے بدن میں جوش کی ایک نئی لہر بھرتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اسی لیے حبیب رضوی کا اگلا جملہ اسے بھایا نہیں تھا۔

"دیکھیں کاشف صاحب میں زیادہ باتیں بنانے والا فنکار نہیں ہوں۔ نا ہی ادیب یا شاعر ہوں کہ الفاظ کو گھما پھرا کر خوب صورت شکل دے کر ایک تلخ بات کو آپ کی سماعتوں کے لیے قابل قبول بنا سکوں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے ایک غلط فیصلہ کیا۔ اسحاق گل سے جھگڑ کر آپ یہاں اپنی جگہ نہیں بنا پائیں گے۔ انڈسٹری میں پرانے لوگوں کے لیے جگہ تنگ ہوتی جا رہی ہے اور آپ تو بالکل ہی نئے نکور ہیں.... کوئی تجربہ نہیں۔ کوئی بیک گراؤنڈ نہیں۔ یہاں بڑے گھاگ بیٹھے ہیں۔ آپ یہ سب ہینڈل نہیں کر پائیں گے۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا تھا۔

"اب ایسی بات بھی نہیں ہے رضوی صاحب.... سید اسحاق گل اور کمپنی کو زیادہ ہی سر پر چڑھا رکھا ہے آپ نے.... مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ انڈسٹری کے ایسے پرانے مال کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت کیا ہے۔ پوری انڈسٹری کو ان لوگوں نے یرغمال بنا رکھا ہے لیکن کب تک.... آخر کبھی تو ان سب پرانی چیزوں کو متروک قرار دینا ہی پڑے گا اور پھر نیا ہونا کوئی خامی تھوڑی ہے.... ہم نئے ہیں تو کیا.... کبھی تو پرانے ہوں گے نا.... تجربہ تو کام کرنے سے ہی آتا ہے.... سمندر میں اتریں گے تو تیرنا سیکھ ہی جائیں گے رضوی صاحب۔ یہی چلن ہے زمانے کا۔ کوئی بھی انسان ماں کے پیٹ سے ڈگری لے کر نہیں نکلتا۔" وہ ان کی بات کو چٹکیوں میں اڑا کر بولا تھا۔

"میں اس بات سے انکار نہیں کرتا لیکن سمندر میں آنکھیں بند کر کے نہیں ناک بند کر کے چھلانگ لگائی جاتی ہے۔ یعنی حالات اور وقت کے مطابق خود کو ڈھالنا ہی دانش مندی ہے۔ آپ فلم بنائیں۔ انڈسٹری کو پرجوش لوگوں کی بہت ضرورت ہے لیکن تجربہ اور جوش دونوں ہی ضروری ہیں۔ اسحاق گل سے بیر پال کر آپ کسی بھی اسٹوڈیو میں کام نہیں کر پائیں گے۔ میری مانیں تو سید صاحب سے صلح کر لیں۔ آپ کہیں تو میں ثالثی کی کوشش کروں۔" اس نے پیش کش کی تھی۔ کاشف نے ناگواری سے سر ہلایا۔ رخشی نے اس کی جانب ناصحانہ انداز میں دیکھا تھا۔

"رضوی ٹھیک کر رہا ہے کاشف.... تم بے شک اس کے ساتھ کام مت کرو لیکن اس سے بگاڑو بھی مت.... نیا نیا کام ہے.... سب کے ساتھ بنا کر رکھنا ہی عقل مندی ہے۔ میرا مشورہ ہے کوئی بدشگونی والا کام نہ کرو۔" رخشی نے بھی اسے مشورہ دیا تھا۔ کاشف نے ان دونوں کی جانب دیکھا' پھر کندھے اچکائے تھے۔

"آپ لوگ کہتے ہیں تو مان لیتا ہوں۔ ورنہ مجھے.... اس کاٹھ کباڑ میں دلچسپی نہیں ہے۔" اس کے انداز میں رعونت تھی۔ اس کا اشارہ انڈسٹری کے سب سے زیادہ تجربہ کار شخص کی طرف تھا۔ رخشی نے اس کو چنے کے اتنے اونچے جھاڑ پر چڑھا دیا تھا کہ باقی سب اسے اپنے سامنے بونے نظر آ رہے تھے۔ اس نے اپنے آپ کو کچھ زیادہ ہی ہیرو سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ حبیب رضوی نے اپنی میز پر پڑے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ملانا شروع کیا تھا۔ چند لمحوں بعد کال ریسیو کر لی گئی اور اس کے چند لمحے بعد سید اسحاق گل لائن پر تھا۔

"اسپیکر آن کرو رضوی.... کاشف تک بھی ساری گفتگو پہنچنی چاہیے۔" رخشی نے کہا تھا۔ حبیب رضوی نے اسپیکر آن کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"یہ سادہ پلاؤ ہی بنوایا ہے.... قورمہ نہیں بنوایا.... اب ان لوگوں کا کیا کروں گی جو چاول نہیں کھاتے۔ سارا خاندان بھوکا بیٹھا ہے باہر.... اور خدا جھوٹ نا بلوائے تو ہر گھر میں تین نا سہی کم از کم دو تو ضرور ہی شوگر کے مریض نکل آئیں گے۔ چاولوں کو دیکھ کر سب نے ناک بھوں چڑھانی ہے۔ مجھے تو خود ڈاکٹر نے چاولوں سے پرہیز بتایا ہے اللہ کا شکر ہے مجھے شوگر نہیں ہے لیکن رات کے وقت چاول ہضم نہیں ہوتے مجھے۔ اس سے بہتر تھا

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

دو دیگیں حلیم کی اتروالیتے۔ خرچا بھی بچ جاتا اور سب کھا پی کر رخصت ہو جاتے۔۔۔ اب یہ چاول کون کھائے' کون انکار کردے' مجھے کیا خبر۔۔۔" یہ نوشی باجی کی ساس تھیں۔

نینا کی نگرانی میں خالہ نے پلاؤ کے بڑے بڑے دیگچے باورچی خانے میں بھجوائے تھے۔ ایک ڈھکن اٹھاتے ہی نوشی باجی کی ساس خالہ کشور نے اعتراض شروع کردیا تھا۔ ان کے خاندان میں یہ روایت تھی کہ جس گھر میں مرگ ہوتی تھی اس گھر کی بہو کے میکے والے جنازہ سے فراغت کے بعد سارے خاندان کو کھلا پلا کر رخصت کرتے تھے۔

"جن کو پلاؤ نہیں کھانا' ان کے لیے چائے بنوالی ہے۔ پاپے اور ڈبل روٹی بھگو بھگو کر کھالیں۔" یہ جواب نینا نے نہیں دیا تھا۔ یہ آواز باورچی خانے کے ایک کونے سے آئی تھی۔ نینا نے دیکھا اور پھر دوبارہ سے گہری سانس بھر کر دیگچے کا ڈھکن ٹھیک کرنے لگی۔ مرحومہ اس کی سگی بہن نہیں تھی لیکن سگی بہن سے بھی بڑھ کر تھی اور پھر ایسی جواں سال ناگہانی موت نے تو اہل محلہ کو بھی تڑپا دیا تھا۔

نوشی باجی کی ساس کے انداز نے اسے پریشان نہیں کیا تھا۔ وہ ایسی ہی تھیں۔ خود غرض اور منہ پھٹ۔۔۔ اور یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی' لیکن نینا نے کبھی ان سے زیادہ بات نہیں کی تھی۔

نوشی باجی ہمیشہ ہی ٹوک دیا کرتی تھیں کہ کہیں وہ ان سے کوئی بدتمیزی نا کرے۔ اس لیے ابھی بھی وہ چپ ہی رہی تھی۔ وہ اور زری زیادہ تر وقت مہر کے ساتھ ہی رہی تھیں۔

"سارا خاندان تھو تھو کرے گا کہ آصف کے سوہرے ایسے بھوکے ننگے تھے کہ چائے پاپے کھلا کر بھیج دیا۔" خالہ نے تڑخ کر اس سمت میں منہ کر کے جواب دیا تھا جہاں سے انہیں مشورہ دیا گیا تھا۔

"پہلے آپ فیصلہ کرلیں کہ سارے خاندان کو دعوت دی ہے یا شوگر۔۔۔ تھو تھو کیوں کریں گے بھلا۔۔۔ یہ فوتگی والا گھر ہے۔ کسی کے ماموں چاچے کا ولیمہ نہیں ہے۔ قورمے پلاؤ اپنے اپنے گھر جا کر بھی کھائے جاسکتے ہیں۔" وہ اب سامنے آگیا تھا۔ اس کا صحیح نام کیا تھا' یہ تو نینا نہیں جانتی تھی لیکن سب ہی اسے پپو کہتے تھے۔ نوشی باجی کا دیور تھا اور نکھٹو آوارہ کے طور پر مشہور تھا۔ اس لیے گھر میں کم ہی نظر آتا تھا۔

"اوہ پاگل خانے آ۔۔۔ تیرا بیچ میں بولنا ضروری نہیں ہے۔ یہ خاندانی نزاکتیں ہیں۔ دنیاداری تو کرنی پڑتی ہیں۔ مرنے والوں کے ساتھ مرا تھوڑی جاسکتا ہے۔ پیٹ سب کے ساتھ لگا ہے۔ صبح سے مرگ والے گھر میں آئے بیٹھیں ہیں۔ بھوک لگ جانا فطری سی بات ہے' لیکن تیرے کھوتے دماغ میں نہیں آئیں گی یہ باتیں۔ تو چپ ہی رہ۔" خالہ کشور اسے گھور کر بولی تھیں۔

"پیٹ سب کے ساتھ لگا ہے۔ دل نہیں لگا کیا۔ یا وہ گھروں میں پانی والے کولر میں رکھ آئے ہیں سب۔۔۔ کسی کی بیٹی کسی کی ماں مری ہے اور سارے لوگ اسی کے گھر والوں سے یہ شکایت کر رہے ہیں کہ پلاؤ پکوالیا۔ قورمہ کیوں نہیں۔ خدا کے غضب سے ڈریں ماں جی۔ لوگوں سے ڈر' ڈر کر تو خاک ہاتھ نہیں آنے والی۔" وہ بعجلت بولا تھا' پھر اس نے اکیلے ہی بڑا سا دیگچہ اٹھایا اور بالکل ایک طرف کردیا۔ اس کے بعد دوسرے کے ساتھ بھی یہی عمل دہرایا۔ دیگچہ کافی بھاری تھا اور وہ اتنا دبلا پتلا سا تھا کہ اس کے اس عمل نے نینا کو حیران کیا۔

"خدا سے نا ڈرتی ہوتی تو ابھی یہ دیگچے واپس بھجوا دیتی مگر میری عادت نہیں ہے ایسی۔ بڑا نرم دل ہے میرا۔ رانی بنا کر رکھا ہوا تھا میں نے نوشی کو۔۔۔ یہ بہن کھڑی ہے اس کی۔۔۔ اسی سے پوچھ لو۔ مجال ہے کبھی شکایت کا موقع دیا ہو۔" وہ موقع کی نزاکت کا احساس کیے بغیر شروع ہوگئی تھیں لیکن آواز بہت دھیمی تھی جو باورچی خانے تک ہی محدود تھی۔ نینا کا دل چاہا وہ یہاں سے نکل کر واپس صحن میں چلی جائے جہاں اس کی امی اور خالہ بیٹھی تھیں لیکن خالہ نے ہی کہا تھا کہ یہ دیگچے کچن میں رکھوا کر میرا انتظار کرنا۔

"جی جی ایک آپ کا دل نرم۔۔۔ ایک آپ کے بیٹے کا۔۔۔ اتنا نرم کہ بیوی کے مرنے پر جنازے میں شرکت کے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

لیے نہیں آسکا۔ بہت غلط کیا بھائی نے۔ اتنی اچھی تھیں نوشین بھابھی... لیکن..." وہ تاسف بھرے لہجے میں بولا تھا۔ خالہ کشور نے گھور کر پھر اسے دیکھا۔

"کیسے آجاتا... چوہدری سے نہیں آنا تھا... سعودیہ سے آنا تھا... اور وہ تو بے چارہ آنا چاہتا ہی تھا... لیکن میت کی حالت ایسی نہیں تھی کہ زیادہ دیر رکھا جاسکتا۔ اس کے یہاں پہنچنے تک تو دفنائے ہوئے بھی چوبیس گھنٹے گزر جانے تھے... پھر کاہے کو ٹکٹ پر پیسے ضائع کرتا۔" وہ تنک کر بولی تھیں۔ نینا کو ان کی بات سن کر بھی کوئی افسوس نہیں ہوا... نوشی باجی چلی گئی تھیں۔ اس کے دل میں اب اس خاندان کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس کے لیے نوشی باجی مرحوم نہیں ہوئی تھیں۔ آصف بھائی مرحوم ہوگئے تھے۔

"ماں جی جانے دیں' یہ سب بے کار کی باتیں... آپ نے بھائی کو روک دیا کہ دو مہینے بعد جب روزی کی شادی ہوگی تب ہی آنا... ابھی آؤ گے تو ٹکٹ کے پیسے ضائع ہوں گے۔ آپ کو اور آپ کے بیٹے کو انسانوں کی نہیں ریالوں کی بہت فکر ہے۔" وہ لگی لپٹی رکھے بغیر بولا۔

"ہاہ... مرن جوگا ناہووے تے... دفع ہو ادھر سے نکل... شرم نہیں آتی ماں کو ٹوٹنے (طعنے دینا) لگاتا ہے۔" نینا کی موجودگی کو محسوس کرکے وہ ذرا سا شرمندہ ہوگئی تھیں۔

"جارہا ہوں... مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے یہاں کھڑے ہو کر وقت ضائع کرنے کا اور بی بی آپ تو راستے سے ہٹیں... اندر جاکر بیٹھیں... یہاں کون سی دعائے مغفرت ہورہی ہے... ہم سورۃ فاتحہ نہیں پڑھ رہے جو آپ کا یہاں کھڑے رہنا ضروری ہے۔" وہ کچن کے دروازے سے نینا کی طرف دیکھتا ہوا تنک کر بولا اور پھر باہر نکل گیا۔

"اے بیٹی اس کی بات کو دل پر نا لینا... یہ ذرا چھوٹے دماغ کا ہے... بچپن میں ٹائیفائیڈ ہوگیا تھا نا اسے... بڑا علاج کروایا تھا اس کا لیکن فائدہ نہیں ہوا۔ اس بیماری کا اثر ابھی بھی دماغ پر ہے۔" وہ وضاحت کررہی تھیں۔ یہ بات اپنے اس بیٹے کے متعلق وہ پہلے بھی بتاتی رہتی تھیں۔

"نکالو ذرا تھوڑا سا پلاؤ... دیکھوں کیسا ہے... بڑے کا گوشت تو نہیں ڈلوایا نا... ہمارے یہاں نہیں کھاتا کوئی... سب کا پرہیز ہے... آئے ہائے بھوک تو ہے ہی نہیں۔ بس رسم دنیا نبھانے کو کھالیتی ہوں تھوڑا سا... ہائے ہائے اللہ کے کام ہیں سارے..." وہ دیکھ بھی رہی تھیں کہ نینا اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں لیکن پھر بھی بولتی جارہی تھیں۔ نینا کوئی جواب دیے بغیر باہر نکل آئی۔ اس کا صبر اور ظرف بس اتنا ہی تھا۔

"کاش ہم نے اس گھر میں بیٹی دینے کی بجائے بکری دے دی ہوتی... زیادہ سکھی رہتے۔" خالہ کبھی کبھار بہت جلے دل کے ساتھ یہ جملہ بولا کرتی تھیں۔ نینا کو یہ جملہ پہلی بار سمجھ میں آیا تھا۔ اس کا دل مزید بوجھ ہوگیا۔ مہر کے لیے اس کے دل میں پھر درد اٹھا تھا۔ وہ اسے ڈھونڈتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ تھکا ہوا وجود لے کر کاؤچ پر گر سا گیا تھا۔ ایسا لگتا تھا بہت لمبی مسافت طے کرکے آیا ہے۔ شہرین کو گھر ڈراپ کرکے وہ ڈاکٹر میلوڈینا سے ملنے چلا گیا تھا۔ اسے سیکنڈ اوپینئن (دوسری رائے) درکار تھا۔ انہوں نے بھی ساری رپورٹس دیکھنے کے بعد بایوپسی کا کہا تھا اور مشورہ دیا تھا کہ شوکت خانم میں چیک کروالیں۔ سمیع کو ایسے لگتا تھا جیسے ہر لمحہ اس کے لیے ایک نئی اذیت لکھتا چلا جارہا تھا۔ لاؤنج میں اسے کوئی نظر نہیں آیا تھا۔

وہ چند لمحے ایسے ہی ادھ موا سا کاؤچ پر بیٹھا رہا' پھر وہ سیدھا ہوا تھا۔ اسے چند ضروری کال کرنی تھیں۔ اماں رضیہ نے اسے اس کی والدین کی آمد کا فون پر بتایا تھا اور یہ بھی اصرار کیا تھا کہ وہ شہرین کے پاس اسپتال آجاتی ہیں' وہ گھر آجائے لیکن سمیع نے انکار کردیا اور کہا کہ وہ انہیں کال کرلے گا۔ اس کے بعد اسے وقت ہی نہیں مل سکا

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

تھا' تاہی اس کا دل چاہا تھا۔ اب شہرین کے گھر آجانے کے بعد اس کا دل چاہا کہ وہ انہیں فون کرلے۔
اسے شہرین کے لیے بہت سی دعائیں جمع کرنی تھیں۔ اس نے سائڈ ٹیبل پر پڑا ٹیلی فون سیٹ اٹھا کر گود میں رکھا تھا۔ اس کی امی کو لمبی لمبی کالز کا شوق تھا اور وہ پی ٹی سی ایل سے ہی کال کرتی تھیں۔ اس لیے اس نے اس فون کو استعمال کرنے کا سوچا تھا۔ رنگز جاتی رہی تھیں' پھر گھر کی ملازمہ نے فون اٹھالیا تھا۔
"باجی امی کو بلوا دیں... میں سمیع..." اس نے اتنا ہی کہا تھا اور پھر وہ انتظار کرنے لگا تھا۔ امی نے آنے میں پورے پانچ منٹ لیے تھے اور اس دوران سمیع سوچتا رہا تھا کہ انہیں کیا کہے کہ وہ جو دل میں شہرین کے خلاف اتنا بغض رکھتی ہیں' وہ منٹوں میں ختم ہوجائے۔
"یاد آگئی بیٹا جی... تمہیں ہماری... بڑی مہربانی۔" امی نے فون اٹھاتے ہی پہلا طنزیہ جملہ بولا۔ سمیع کو ذرا بھی دکھ نہیں ہوا اسے احساس تھا اس نے' ان سے ملاقات نا کرکے اچھا نہیں کیا تھا۔
"آئی ایم سوری امی... دراصل شہرین ٹھیک نہیں تھی۔" اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ امی نے اس کی بات کاٹ دی۔
شکر ہے تمہیں سمجھ میں آگئی کہ شہرین ٹھیک نہیں ہے۔ یہی بات میں تمہیں سمجھانا چاہ رہی تھی۔"
"امی خدارا... ختم کردیں یہ غصہ... بیمار ہے وہ... بہت بیمار..." اس نے گہری لمبی سانس بھرتے ہوئے التجا کی تھی۔
"بیٹا جی... تم اس کے نخرے اٹھانا بند کردو... دوسرا بچہ پیدا کرنے جارہی ہے... اب تو سمجھ لو اس چالاک عورت کی رمزیں... وہ انگلیوں پر نچا رہی ہے تمہیں..." وہ چلا کر بولی تھیں۔ انہیں اس بات کا بہت ہی زیادہ غصہ تھا کہ سمیع اور شہرین نے ان سے یہ بات چھپائی تھی اور پھر سمیع نے ان کی اپنے گھر پر آمد پر ان سے ملاقات بھی گوارا نہیں کی تھی۔
"دوسرا بچہ... یہ کس نے کہہ دیا آپ سے..." سمیع انتہائی حیران ہوا تھا۔
"بہت لوگ ہیں اور بھی' جو ہمیں تم لوگوں کی باتیں بتا دیتے ہیں۔ افسوس اس بات کا ہے سمیع کہ تم نہیں بتاتے۔ تم ہمیں اپنا دشمن اور اس عورت کو اپنا سب سے بڑا خیر خواہ سمجھتے ہو... میری دعا ہے کہ تمہیں اس بار بیٹے کی خوشی ملے اور پھر اس بیٹے کو بھی کوئی لڑکی کالا جادو کرکے اپنا گرویدہ بنالے جیسے تمہاری شہرین بیگم نے تمہیں بنایا ہے تو پھر تمہیں پتا چلے کہ جب اولاد ایسے دکھ دیتی ہے تو کیسا کلیجہ پھٹتا ہے..." وہ بنا سوچے سمجھے بولتی چلی جارہی تھیں۔
"امی آپ کا دل نہیں دکھتا... بددعائیں دیتے ہوئے..." اس نے اتنا ہی کہا... اس کا دل اتنا بھر ہوا تھا کہ اسے لگا وہ رودے گا۔ وہ رنکھا ہوا جارہا تھا۔ امی کے الفاظ اس کا دل چیر رہے تھے۔
"نہیں... میری روم روم سے' سانس سانس سے اس حرافہ کے لیے بددعائیں نکلتی ہیں... صرف بددعائیں..." امی اسی انداز میں بولی تھیں۔ ان کے دل میں اس قدر خفگی تھی کہ انہیں بیٹے کی بجھی ہوئی آواز سے بھی کچھ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔
"تو پھر آپ کو مبارک ہو امی... لگتا ہے اللہ نے آپ کی سن لی ہے۔" اس نے اتنا ہی کہا تھا اور پھر فون بند کردیا۔ مزید کیا کہتا وہ...
اسے لگا تھا بس بھری ہوئی آنکھیں بہنے کو ہیں' شاید وہ بہہ ہی جاتیں کہ سمیع کو احساس ہوا وہ کسی کی نگاہوں کی زد میں ہے۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ اسے کوئی نظر نہیں آیا تھا' پھر اس کی نگاہ اپنے پاؤں میں پڑے بال پر پڑی... بال کو دیکھتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ کوئی اور بھی ہے۔ وہ ایمن تھی اور اس کی جانب ہی دیکھ رہی تھی کہ شاید وہ

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

بال اٹھائے گا اور اسے دے گا۔ سمیع چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتا رہا بنا کچھ کہے' کچھ سنے۔
"میرا دل چاہتا ہے میری بیٹی بالکل تمہارے جیسی ہو۔" اس کے کانوں میں اپنا ہی کہا ہوا جملہ گونجا تھا۔
"کیوں؟" شہرین کا مسکراتا ہوا سراپا کیسے آنکھوں کے سامنے سج سا گیا تھا۔
"اس لیے کہ دنیا میں خوب صورتی کی کمی ہوتی جا رہی ہے۔ دنیا کو خوب صورت لوگوں کی ضرورت ہے۔۔۔ تمہارے جیسے لوگوں کی۔۔۔" اس نے کبھی کہا تھا اور شہرین کھلکھلا کر ہنسی تھی۔
"میرے دعا ہے کہ میری بیٹی اپنی دادو جیسی ہو۔۔۔ وہ مجھ سے بہت ناراض رہتی ہیں۔۔۔ ان کی پوتی ان جیسی ہوگی تو وہ اس سے اور بھی زیادہ پیار کریں گی۔۔۔ پھر شاید ان کی ناراضی مجھ سے ختم ہو جائے۔"
شہرین کے چہرے پر کیسی معصومیت چمکنے لگی تھی۔ سمیع کو یاد آیا تھا۔ اس نے ایمن کا چہرہ دیکھا اور پھر بنا اسے مخاطب کیے' اس کی بال تھمائے' اسے کوئی مثبت رسپانس دیے' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔ اسے پتا نہیں چلا تھا۔ ایمن اسے کیسی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"بادشاہو۔۔۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ رضوی فلم بنائے اور اسحاق گل اس کے کندھے کے ساتھ کندھا ملا کر کھڑا نا ہو۔" حبیب رضوی نے ابتدائی علیک سلیک کے بعد مدعا بیان کیا تھا۔
"مبارکاں جناب مبارکاں۔۔۔ جم جم بناؤ۔" دوسری جانب سے آنے والی آواز اسپیکر کے ذریعے کمرے میں گونجی تھی۔
"نیا لڑکا متعارف کرواؤں گا۔۔۔ کاشف نثار۔۔۔ بڑا چن کر ہیرا ڈھونڈا ہے۔۔۔ آئے گا اور چھا جائے گا۔"
کاشف کو اس کے چیخنے کے انداز پر ناگواری محسوس ہوئی تھی۔
"اچھی بات ہے بھائی۔۔۔ نئے تجربے ویسے بھی راس آجاتے ہیں تمہیں۔۔۔ میری نیک تمنائیں تم سب کے ساتھ ہیں۔" آواز میں وہی پرانی گرم جوشی نمایاں تھی۔ کاشف نے چیئر کی پشت سے ٹیک لگالی تھی۔ شاید سید اسحاق گل کو یاد بھی نہیں تھا اس کے بارے میں۔۔۔
"سید صاحب آپ کو اپنے ہیرو سے ملوانا چاہتا ہوں۔۔۔ وقت نکال کر کسی روز کھانا کھائیں ہمارے ساتھ۔۔۔ تازہ مچھلی کو مسالا لگوائیں گے۔ تبولہ اور حمس (عربی چٹنی سلاد) کے ساتھ' دبئی کا ذائقہ بھول جائیں گے آپ۔۔۔ ساتھ آپ کی پسندیدہ امپورٹڈ بوتل بھی ہوگی۔" وہ قہقہہ لگاتے ہوئے پیش کش کر رہا تھا۔
"ضرور۔۔۔ ضرور۔۔۔ کیوں نہیں۔۔۔ آج ہی رکھ لو۔۔۔ دلنشین کو بھی بلاؤ نا۔۔۔ مچھلی ہو۔۔۔ امپورٹڈ بوتل ہو۔۔۔ اور کوئی خوب صورت غزل' نا سننے کو ملے تو ہر چیز ادھوری ادھوری لگتی ہے۔" سید اسحاق گل نے رضامندی دی تھی۔ حبیب رضوی نے تابعداری سے سر ہلایا' جیسے وہ اسے ٹیلی فون ریسیور سے دیکھ ہی رہا ہو۔
"دلنشین کہاں ہم غریبوں کی دعوت قبول کرے گی۔ وہ اب گورنر ہاؤس میں غزلیں سنانے جاتی ہے۔ ایوان صدر میں جلوے بکھیرتی ہے۔ ہمارے تو فون کا جواب بھی نہیں دیتی سر جی۔۔۔ مگر تسی فکر نا کرنا۔۔۔ رحمتی ہے نا۔۔۔ اس کی آواز میں۔۔۔ میڈم نور جہاں کے گانے سنیں گے۔" حبیب رضوی نے اسی انداز میں کہا تھا۔
"نہیں۔۔۔" سید اسحاق کی قطعیت بھری آواز ریسیور میں ابھری تھی۔
"اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا میں۔۔۔ ہر گامے گاچھے کو اٹھا کر ہیرو بنانے لے آتی ہے۔ ٹکے ٹکے کے لوگوں کے ساتھ پھرتی ہے۔ سو سو روپے لے کر میڈم کے گانے گا دیتی ہے۔ دماغ پھر گیا ہے اس کا۔۔۔ ادب آداب بھولتی جا رہی ہے۔ انسانوں کی پرکھ بھی نہیں رہی اسے۔ اس کا باب ختم ہو چکا اب۔۔۔" وہ ناگواری بھرے لہجے میں کہہ

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

رہا تھا۔ یہ ایک تیر سے دو شکار ہو گئے تھے اور بالکل بے خبری میں ہو گئے تھے۔ کاشف اور رخشی کے چہرے کا رنگ بدلا' وہاں حبیب رضوی بھی ڈگمگا سا گیا۔

"آپ ناراض کیوں ہوتے ہیں.... اپنی لڑکی ہے.... کوئی غلطی شلطی ہو گئی تو معاف کر دیں.... لیکن منہ نا موڑیں.... آپ کی آشیرباد کے بغیر تو وہ واقعی ختم ہو جائے گی.... میری فلم تو پھر ڈبے میں ہی پڑی رہ جانی ہے۔" وہ لجاجت بھرے لہجے میں بولا تھا۔ رخشی برا سا منہ بنا کر حبیب رضوی کے عقب سے ہو کر سامنے سامنے کرسی پر آ بیٹھی تھی۔ کاشف نے اسے جتاتی نظروں سے دیکھا۔

"میرے لیے تو وہ ویسے ہی ختم ہے رضوی.... میں اب اس کی شکل نہیں دیکھوں گا۔" سید اسحاق گل نے اتنا کہا' پھر وہ ہی قصہ دوبارہ سنانے لگا تھا کہ کیسے رخشی کسی عام سے بندے کو اسٹوڈیو میں لیے پھر رہی ہے اور اس بندے نے اس کی بڑی بے عزتی کی ہے۔

اسحاق گل نے کاشف کے کہے گئے ہر جملے کو مرچ مسالا لگا کر حبیب رضوی کو سنایا تھا۔ کاشف نے اس دوران بہت مشکل سے خود کو کچھ بھی کہنے سے روک کر رکھا تھا' کیونکہ رضوی مسلسل ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

"میرے منہ پر کہتا ہے کہ مجھے فلم بنانی نہیں آتی۔ وہ مجھے کہتا ہے کہ میں فلم بنا کر دکھاؤں گا کہ فلم کہتے کسے ہیں۔ وہ مجھے تڑیاں (دھمکیاں) لگا رہا تھا اور وہ رخشی بھی اسی کے ساتھ تھی.... وہی لائی تھی اسے.... وہ رخشی کل کی لڑکی.... جس کی دو کوڑی کی عزت نہیں تھی۔ جسے دا تا دربار سے میں اٹھا کر انڈسٹری میں لایا تھا۔ عزت دلوائی.... کام سکھایا.... وہی میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس پنچ انسان کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل گئی۔

اب میں بھی دیکھتا ہوں کہ کیسے فلم بناتے ہیں یہ.... اتنا ہی ماٹھا سمجھ لیا ہے اسحاق گل کو.... جس کا دل چاہے گا وہی منہ اٹھا کر فلم بنا لے گا کیا.... اب یہ ہمیں ہمارے کام سکھائیں گے۔" وہ بہت غصیلے اور طنزیہ انداز میں بات کر رہا تھا اور اس نے جس طرح کے الفاظ استعمال کیے تھے' اس سے کاشف کا پارہ بھی بہت ہائی ہو گیا تھا۔ رخشی کے چہرے کے تاثرات بھی بالکل بدل گئے تھے۔ حبیب رضوی نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے پہلے فون کا اسپیکر اور پھر چند لمحوں بعد فون ہی بند کر دیا تھا۔

"اسحاق گل تیری میری ختم ہو گئی.... بس رخشی سے مک گئی تیری.... اب تو میں سو فیصد کاشف کے ساتھ ہوں.... وہ سارے گر اسے سکھاؤں گی' جو فلم بنانے میں کام آتے ہیں.... یہ اسحاق گل سمجھتا کیا ہے خود کو.... اسے تو اب رخشی مزا چکھائے گی۔" رخشی بڑبڑا رہی تھی۔ اسحاق گل کے انتہائی ہتک آمیز رویے سے کاشف کے دل میں فلم بنانے کا خیال مزید پختہ ہوا تھا۔ وہ اپنے فیصلے پر مزید مستحکم ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

"نینا کچھ کھالو۔" امی نے اس کے لیے پلیٹ بنائی تھی' پھر بہت امید سے اس کے لیے لائی تھیں۔ وہ اپنے بستر میں لیٹی تھی۔ لحاف اپنے اوپر اس طرح ڈال رکھا تھا کہ گردن کے سوا سارا وجود چھپا ہوا تھا۔ حالانکہ موسم میں کوئی خنکی نہیں تھی۔ پنکھا فل اسپیڈ کے ساتھ چل رہا تھا اور کمرے کی کھڑکی بھی کھلی تھی۔ اس کے باوجود انہیں اسے اس طرح لیٹا دیکھ کر بے حد گھٹن اور الجھن محسوس ہوئی۔

نوشین کے انتقال کو پانچ دن گزر چکے تھے۔ وہ سب' خاندان میں ہونے والے اس نقصان کو برداشت کرنے کے عمل سے گزر رہے تھے۔ ان کی بہن نے اپنی بیٹی کھوئی تھی' تو گھر کے بیٹوں کے لیے بہن نہیں رہی تھی۔ وہ ان کی بھانجی تھی۔ وہ سب افسردہ تھے لیکن نینا کا حال سب سے برا تھا۔ چند دنوں میں اس کا چہرہ بالکل پھیکا پڑ گیا

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

تھا۔ وہ برسوں کی بیمار لگنے لگی تھی۔ یہ بھی اس کی عجیب سی شخصیت کا ایک رخ تھا یا تو کسی سے الفت کا مظاہرہ کرتی ہی نہیں تھی لیکن جس سے کرتی تھی، پھر اس پر جان وار کرنے کو بھی تیار رہتی تھی۔ نوشین سے اس کی محبت ڈھکی چھپی نہیں تھی لیکن اس کے اس طرح چلے جانے سے وہ اتنا اثر لے گی یہ بھی ان کے گمان میں نہیں تھا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے امی۔۔۔" وہ لیٹے لیٹے بولی تھی۔ انداز میں پژمردگی بے حد نمایاں تھی۔ اس سے پہلے کہ امی مزید کچھ پوچھتیں یا کہتیں وہ اپنا منہ چھپائے ہوئے بولی۔

"امی میں نے آپ سے کہا تھا مہر سے ملنے چلتے ہیں۔ اسے کچھ دن کے لیے یہاں لے آتے ہیں۔" امی نے گہری سانس بھری۔

"کیسے لے آتیں نینا۔۔۔ اس کی دادی سخت برا مانتی ہیں۔ کل ہم کلمہ طیبہ کا ورد کرنے گئے تو سب کے درمیان میں بیٹھی کہتی ہیں کہ بس تین دن ہو گئے۔ تین دن کا ہی سوگ ہوتا ہے۔۔۔ اب نا آئے کوئی منہ اٹھا کر۔۔۔ تمہاری خالہ نے کہا کہ مہر کو ہمارے ساتھ بھجوا دیں تو ناک چڑھا کر بولیں مجھے تو کوئی اعتراض نہیں۔ دادی کے گھر رہے یا نانی کے، ایک ہی بات ہے لیکن مہر کے باپ نے منع کیا ہے۔ وہ کہتا ہے ایسے بچی کو ماں کے بغیر رہنے کی عادت نہیں پڑے گی۔ اس کی عادتیں خراب ہوں گی۔" امی کے انداز میں کس قدر تاسف تھا یہ نینا کو محسوس بھی نہیں ہوا تھا۔

"آپ چلیں تو سہی۔۔۔ میں خود ان سے بات کر لوں گی۔" اس نے لحاف ابھی بھی منہ سے نہیں اتارا تھا۔

"کہہ تو رہی ہوں اس کی دادی ناک بھوں چڑھاتی ہیں۔ صاف کہتی ہیں آپ کی بیٹی مر گئی۔۔۔ مہر ہماری بیٹی ہے۔ اس کے فیصلے ہم کریں گے۔" امی کو نوشین کی ساس کا لہجہ یاد آیا تو ان کے چہرے کے تاثرات بھی بگڑ سے گئے تھے۔ نینا خاموش ہو گئی۔

"اچھا اٹھو۔۔۔ کھانا کھاؤ۔۔۔" وہ اسے پھر سے اٹھنے کی تحریک دے رہی تھیں۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" جواب آیا تھا۔

"میں جانتی ہوں۔۔۔ لیکن اٹھو تو سہی۔۔۔ دیکھو اتنے مزے کے قیمہ کریلے بنائے ہیں زری نے۔۔۔ سلاد اور پودینے کی چٹنی بھی ہے۔۔۔ تھوڑا سا کھا لو۔۔۔" وہ بہت پیار بھرے لہجے میں بولی تھیں۔ وہ پھر بھی نہیں اٹھی تھی۔ امی نے آگے بڑھ کر اس کا لحاف تھوڑا سا ہٹانا چاہا تھا۔

"نہیں کریں امی۔۔۔ سونے دیں۔" وہ چڑ کر بولی۔ امی نے گہری سانس بھری۔ وہ دن بہ دن بہت چڑچڑی ہوتی جا رہی تھی اور انہیں اس کی اسی بات پر غصہ آتا تھا۔

"تھوڑا سا کھا لو۔۔۔ شکل دیکھو۔۔۔ بہت کمزور ہو رہی ہو۔۔۔ اٹھو شاباش۔۔۔ کھانا کھاؤ۔۔۔ نہاؤ۔۔۔ کپڑے تبدیل کرو۔۔۔" وہ اسے اٹھنے کے لیے مسلسل کہہ رہی تھیں۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا۔۔۔ کہا تو ہے نہیں کھانا۔۔۔ کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو سب۔" وہ اکتا کر بولی تھی۔ انداز میں بدتمیزی نمایاں تھی۔ امی نے گہری سانس بھر کر اسے دیکھا۔ وہ کبھی کبھی اپنی بدمزاجی سے ان کا کس قدر دل دکھا دیتی تھی۔ زری ایک منٹ پہلے ہی کمرے میں آئی تھی۔ اسے بھی اس کا انداز اچھا نہیں لگا تھا۔

"چلو تمہاری مرضی۔۔۔ لیٹی رہو ایسے ہی۔۔۔ آئیں امی ہم کھاتے ہیں۔۔۔ اس کے پاس تو بیٹھنا بھی گھاٹے کا ہی سودا ہے۔" زری نے بالکل اسی کے انداز میں امی کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تھا۔

"میں کب کہہ رہی ہو کہ میرے پاس بیٹھو۔۔۔ جاؤ سب یہاں سے۔" اب کی بار وہ غرا کر بولی تھی۔

"اٹھ بھی جائیں امی۔۔۔ کتنے نخرے دیکھنے ہیں اس کے۔۔۔ آپ کے لاڈ پیار نے سر چڑھا لیا ہے اسے۔۔۔ چھوڑ

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

دیں اس کے حال پر۔۔۔ ہمیں بھی دکھ ہے نوشی باجی کا۔۔۔ لیکن قدرت سے کون لڑ سکتا ہے۔ اللہ کی مرضی تھی کوئی کیا کر سکتا ہے۔۔۔ یہ محترمہ ایسے پیش آ رہی ہیں سب سے جیسے ہم سب نے مل کر مارا ہے نوشی باجی کو۔۔۔" زری انتہائی غصے سے بولی تھی۔

"جاؤ۔۔۔ جاؤ۔۔۔ نکلو یہاں سے۔" اب کی بار نینا کا انداز انتہائی طنزیہ تھا۔ زری تو اس کے پاس بیٹھی ہی نہیں تھی۔ امی جو اس کے بے حد قریب بیٹھی تھیں۔ وہ بھی برا مان کر اٹھ گئیں۔ ان کے دل کو اس کے اس رویے سے سخت ٹھیس پہنچی تھی لیکن وہ ایسی ہی تھی۔ بدمزاج۔۔۔ خود سر۔۔۔ بدتمیز۔۔۔ اور دن بہ دن اس کی یہ عادات مزید پختہ ہوتی جا رہی تھیں۔ زری کو امی کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر نینا پر مزید غصہ آیا تھا لیکن وہ کچھ نہیں بولی۔

"اولاد کا 'نا ہونا بھی آزمائش ہے اور اولاد کا ہونا بھی آزمائش ہے۔" امی نے نینا کے لحاف میں چھپے وجود کو دیکھتے ہوئے تاسف سے سوچا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تم کب تک یوں ہی بیٹھے رہو گے۔" وہ لیپ ٹاپ کھول کر اس پر کب سے وہ۔۔۔ وہ لفظ لکھ کر گوگل کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو ڈاکٹر رضی نے اسے بتایا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آخر شہرین کا ٹیومر کس نوعیت کا ہے اور پھر اس کا علاج 'بعد کے اثرات وغیرہ۔۔۔ وہ چاہتا تھا اسے کچھ نہ کچھ تو پتا ہو۔۔۔ ورنہ تو دماغ کوئی بھی راستہ سمجھانے سے انکاری تھا۔

اس نے گوگل کے تلاش کے خانے میں ڈینڈرو گلیوما لکھ کر اسکرین کی طرف اسی غائب دماغی سے دیکھنا شروع کیا تھا۔ گوگل نے اس کے سامنے چند صفحات اگل دیے تھے۔ پہلے والا لنک کھولتے ہی اس پر بڑا بڑا میڈیکل ایمرجنسی لکھا آنے لگا تھا۔ ایک کارنر میں سرخ سا نشان بار بار جلتے بجھتے ہوئے خطرے کے نشان کو نمایاں کر رہا تھا۔ پہلے ایک دو فقروں میں ہی اس بیماری کو خوف ناک قرار دیا گیا تھا' جس سے سمیع کی ہمت مزید جواب دے گئی تھی۔ اس کے اندر اتنی ہمت ہی نہیں تھی کہ وہ کچھ بھی پڑھ پاتا۔ وہ صرف لیپ ٹاپ کی اسکرین کی جانب دیکھنے میں مگن تھا۔

اسے پتا نہیں چلا تھا کب شہرین اس کے عقب میں آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ سمیع نے چہرے کے تاثرات کو فوراً" نارمل کرنے کے لیے پیچھے کی جانب نہیں دیکھا تھا۔

"تم سوئی نہیں اب تک۔۔۔ میں تو سمجھا تھا تم سو چکی ہو۔"

"ایک دن اسپتال کے کمرے میں سو جانے سے عادتیں بدل نہیں جایا کرتیں۔ تم گھر میں موجود ہو لیکن بیڈ روم میں نا ہو تو سونا تو دور کی بات ہے۔ میں اس بیڈ روم میں بیٹھ بھی نہیں سکتی۔" وہ استحقاق بھرے انداز میں بولی تھی۔ سمیع مسکرایا' کیونکہ وہ اب اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

"اس کا مطلب میں تمہاری عادت بن چکا ہوں؟" وہ اسے چڑا رہا تھا۔

"پختہ عادت۔۔۔ انفیکٹ (حقیقت) میں تمہاری ایڈیکٹ ہو چکی ہوں۔" وہ سابقہ انداز میں بولی اور ساتھ ہی اس کی کرسی کے پیچھے آ کر اس کی گردن میں بانہیں حمائل کی تھیں۔ سمیع کے وجود میں جنبش بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس نے شہرین کے اس محبت بھرے انداز کا خیر مقدم بھی نہیں کیا تھا۔ شہرین کے دل کو ایک اور ٹھیس پہنچی۔ سینے میں کہیں پھر ٹیس اٹھی تھی۔ اسے سمیع کے انداز اس قدر بدلے بدلے لگ رہے تھے کہ وہ پریشان ہوئی جا رہی تھی' جبکہ سمیع کو احساس بھی نہیں ہوا تھا۔

"ایڈیکشن کوئی اچھی چیز تو نہیں ہوتی۔" سمیع مسکرایا یا شاید اسے بہلانے کے لیے مسکرانے کی سعی کی۔

"اچھی چیز کی ایڈیکشن ہو جائے۔۔۔ تو پھر اس سے اچھی چیز کوئی نہیں ہوتی۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے جتانے والے انداز میں بولی تھی۔ دل میں خواہش اٹھی تھی کہ سمیع اس کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ رکھ دے۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

اسے شدید احساس ہوا تھا کہ جس دن سے اس کی امی نے سمیع کی تذلیل کی تھی اس دن سے سمیع کا رویہ اس کے ساتھ بدل سا گیا تھا اور یہ بات اسے بہت اذیت دے رہی تھی۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" جب سمیع اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں بولا تو وہ اپنی ٹھوڑی اس کے سر پر رکھ کر بولی تھی کہ شاید اب وہ اپنا ہاتھ بڑھائے گا اور اس کے گال پر رکھے گا۔ اس کے گال کو سہلائے گا۔۔۔ کبھی کبھی کوئی تسلی، دلاسا، مرہم پھاہا درکار نہیں ہوتا۔۔۔ دل چاہتا ہے کوئی ہاتھ ہو جو آپ کے ہاتھ کو تھام لے اور بس سکون مل جائے۔ لمس میں زندگی ہے۔ لمس میں توانائی ہے۔ انسان کے درد دل کا مداوا انسان ہی کر سکتا ہے۔ انسانی رشتوں میں قیمتی ترین رشتہ۔۔۔ میاں بیوی کا رشتہ۔۔۔ میاں بیوی کا رشتہ خون کا رشتہ نہیں ہوتا لیکن اس رشتے سے خون کے رشتے ضرور جنم لیتے ہیں۔

شہرین کا دل چاہا وہ خود آگے بڑھے اور سمیع کے گلے لگ جائے۔۔۔ اور یہ کون سا پہلی بار ہوتا جو وہ اس کے گلے لگ جاتی لیکن اس لمحے اسے جھجک محسوس ہو رہی تھی۔ سمیع کی بے زاری اسے بہت ڈرا رہی تھی۔ کیا وہ اس سے لاپروا ہوتا جا رہا تھا۔ کیا وہ اس کے دل میں اپنی قدر و اہمیت کھونے لگی تھی۔ ایک کے بعد ایک خدشہ اسے اپنے حصار میں لے رہا تھا۔

"میں سوچ رہا تھا کہ تم نے مجھے "اچھا" قرار دیا ہے اس بات پر خوش ہونا چاہیے یا مجھے "چیز" قرار دیا ہے اس پر افسوس کرنا چاہیے۔" اس کی آواز میں بے دلی نہیں تھی لیکن کچھ تھا جو شہرین کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"میں نے کہا تھا نا وقت بدل گیا ہے۔ پہلے تم میری سب باتوں پر صرف خوش ہوا کرتے تھے اور اب تمہیں افسوس ہونے لگا ہے۔" یہ ایک شکوہ تھا جو سادہ سے انداز میں کیا گیا تھا۔

"مجھے تو نہ جانے کس کس چیز پر افسوس ہونے لگا ہے شہرین۔۔۔ اتنا افسوس۔۔۔ کہ دل چاہتا ہے۔۔۔" اس نے لمبی گہری سانس بھری اور فقرہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ شہرین کا سارا وجود سرد ہونے لگا اور اسی لمحے اس کی خاموشی کو محسوس کر کے سمیع نے اس کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ رکھ دیے۔ توانائی کی ایک انوکھی لہر اس کے ہاتھوں سے سفر کرتی ہوئی شہرین کے ہاتھوں تک منتقل ہوئی تھی۔ وہی لمس جس کے لیے شہرین لمحہ بھر پہلے بے قرار ہوئی جاتی تھی۔ فی الوقت اسے بے چین کر گیا تھا۔ سمیع نے اس کا ہاتھ تھامے تھامے اسے اپنے سامنے کر لیا تھا۔

"کیا دل چاہتا ہے سمیع۔۔۔ اور ایسے کیوں کہہ رہے ہو۔۔۔ کیوں افسوس ہو رہا ہے تمہیں۔۔۔ میں اپنی امی کے رویے کی معافی مانگتی ہوں تم سے۔۔۔ میں جانتی ہوں تم بہت ہرٹ ہو۔۔۔ لیکن پلیز معاف کر دو۔" وہ اس کے سامنے آ کر التجائیہ انداز میں بولی تھی۔ سمیع کے دل کو جیسے کسی نے چیر ڈالا۔ وہ اپنی امی کے رویے کی بات کر رہی تھی، جبکہ اسے تو یاد ہی نہیں تھا۔ شہرین کے علاوہ اسے کوئی یاد نہیں تھا۔ وہ کیسے یاد رکھتا کسی کو۔۔۔ اس کے علاوہ دنیا میں کون تھا اس کا۔ وہ جو اس کے سامنے تھی وہ اس کی دنیا تھا اور اس کی دنیا اندھیر ہوئی جاتی تھی۔ اس کی آنکھیں دھندلانے لگیں۔ اس نے شہرین کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔

"شہری۔۔۔ ایک بات کہوں۔۔۔ تم پریشان تو نہیں ہو گی۔" وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ شہرین چونکی تھی لیکن اس سے پہلے وہ کچھ پوچھتی۔ سمیع نے اپنی بانہیں اس کی کمر کے گرد حمائل کی تھیں اور پھر اپنا سر اس کے وجود میں چھپا لینا چاہا تھا۔

"میں تھوڑی دیر رونا چاہتا ہوں شہرین۔۔۔ پلیز پریشان مت ہونا۔۔۔ اور کوئی سوال بھی مت کرنا۔۔۔ کچھ مت پوچھنا۔۔۔ اور ٹوکنا بھی نہیں۔۔۔ بس مجھے رو لینے دو تھوڑی دیر۔۔۔ تھوڑی سی دیر۔۔۔ پلیز شہرین۔۔۔"

وہ گلوگیر لہجے میں التجا کر رہا تھا۔ شہرین ہکا بکا اسے دیکھنے لگی۔ سمیع کی آنکھیں بھری ہوئی تھی لبالب۔۔۔ اس نے دیکھا چند آنسو اس کے گالوں پر پھسل آئے تھے۔۔۔ اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی۔۔۔ سمیع کی سسکیاں کمرے

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

میں گونجنے لگی تھیں۔

"سمیع....." اس نے تڑپ کر اس کے سر کو اپنی بانہوں کی قید میں بند کر لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"کیسی ہو....." سلیم نے اس کے بے رنگ و رونق چہرے کو دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔ وہ دکان کے اندر آئی تھی اور پھر دائیں طرف کاؤنٹر پر بیٹھ گئی تھی۔ یہ کاؤنٹر دروازے کے بالکل پیچھے تھا اور اس پر بیٹھنے سے باہر کی جانب سے بیٹھنے والے پر نگاہ نہیں پڑتی تھی۔ باجی کے انتقال کے بعد وہ پہلی دفعہ اس سے ملنے آئی تھی اور وہ بخوبی جانتا تھا کہ اس نے ان کی وفات کا کتنا زیادہ اثر لیا تھا لیکن اس کے پاس کہنے کے لیے کوئی الفاظ نہیں تھے۔ اس لیے اس نے یہی بہتر سمجھا تھا کہ گفتگو کا موضوع کوئی اور ہی رکھا جائے' کیونکہ اس کے چہرے پر لکھا تھا کہ وہ خالہ یا زری سے جھگڑا کر کے آئی ہے۔

"مجھے کیا ہونا ہے' ٹھیک ہوں۔" وہ ناک چڑھا کر بولی۔

"جھگڑ کر آئی ہو زری سے.....؟" اس کے چہرے کے تاثرات سے یہی اندازہ کر پایا تھا۔

"مجھے تمہاری زری سے جھگڑنے کے علاوہ بھی اور بہت سے کام ہیں۔" وہ پہلے سے زیادہ برا منہ بنا کر بولی تھی۔ سلیم بے دلی سے مسکرایا۔ کبھی کبھی اسے لگتا تھا اس کے سوا نینا کو کوئی سمجھ ہی نہیں پایا۔ وہ اداس ہوتی یا کسی بات پر افسردہ ہوتی تو اسی طرح لڑنے جھگڑنے لگتی تھی۔ ایک بے بس چھوٹے بچے کی طرح جسے تسلی دلاسا مانگنے کے لیے بھی رونا پڑتا تھا اور اس کی یہ رمز اس کی ماں ہی سمجھ پاتی تھی' بالکل اسی طرح وہ بدمزاج ہو کر ظاہر کرتی تھی کہ میں اداس ہوں اور کسی کو یہ بات سمجھ ہی نہیں آتی۔ سلیم تھا جو جانتا تھا کہ وہ رونا چاہتی تھی لیکن کسی کے سامنے رونے سے بہتر وہ یہ سمجھتی ہے کہ لڑ جھگڑ کر اپنی بھڑاس نکال لے۔

"دن بہ دن اتنی جھگڑالو کیوں ہوتی جا رہی ہو نینا؟" وہ محبت سے اس سے پوچھ رہا تھا۔ نینا نے گھور کر اسے دیکھا۔

"اپنے کام سے کام رکھا کرو..... مجھ پر غور و خوض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں لیب میں رکھا ہوا ایسا نہیں ہوں..... سمجھے....." وہ غرا کر بولی تھی۔ کوئی اور ہوتا تو اس بات پر بے حد ناراض ہو جاتا لیکن وہ بھی سلیم تھا جس نے بچپن سے اس لڑکی کے نخرے اٹھائے تھے۔ اپنی آئس کریم' چپس اور جوس میں سے بچا بچا کر اس کے لیے حصہ رکھا تھا۔

"میں تمہاری ہر رمز سے واقف ہوں..... غور و خوض کیے بغیر بھی..... مجھ سے کیوں چھپاتی ہوں اپنی فیلنگز (احساسات)....." وہ اب اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اوہ مہاراجہ رنجیت سنگھ..... زیادہ ہیرو بننے کی ضرورت نہیں ہے..... تمہارے پاس آ کر پانچ منٹ بیٹھ کیا جاتی ہوں..... تم ایموشنل (جذباتی) ہی ہو جاتے ہو۔" وہ کاؤنٹر سے اتری تھی اور واپس جانے لگی تھی۔ سلیم نے یک دم اس کا ہاتھ پکڑا اور پھر التجائیہ انداز میں بولا۔

"پانچ منٹ پورے تو کر لو....." اس نے اس کی جانب دیکھا لیکن بولی کچھ بھی نہیں۔ ایسے ہی کھڑی رہی جیسے واقعی کسی فلم کی ہیروئن ہو..... کوئی اور ہوتا تو اس کے تاثرات دیکھ کر ناک چڑھاتا ہوا اسے جانے دیتا لیکن وہ سلیم تھا اور وہ بھی نینا تھی' جو جانتی تھی کہ سب سے لڑ جھگڑ کر اسے سلیم سے بہتر سامع کوئی نہیں ملنے والا۔

"بیٹھو..... جب پانچ منٹ ہو جائیں تو چلی جانا۔" اس نے اس کا ہاتھ تھامے ہوئے کہا تھا۔ نینا خاموشی سے دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"رونا چاہتی ہو نا؟" وہ اب اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نینا نے ناگواری سے سر ہلایا۔ اس کا ہاتھ ابھی بھی سلیم کے ہاتھ میں تھا۔

"رو لو... تھوڑا سا... کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ آنسو قیمتی ہوتے ہیں لیکن قیمتی چیزوں کی زکوۃ تو ادا کرنی پڑتی ہے۔" نینا نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ چہرے پر مخصوص خشونت تھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی، سلیم نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی پکڑ لیا۔

"ہاں یہ ایک ڈائیلاگ تھا... لیکن مجھے ان کو لکھنے کے پیسے ملتے ہیں... تم پیسے مت دینا... آنسوؤں کی زکوۃ دے دو... سمجھو میں بہت ضرورت مند ہوں ان آنسوؤں کا۔" وہ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھے اسے تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ نینا کی آنکھیں بھری تھیں لیکن چہرے کے تاثرات ابھی بھی ویسے ہی تھے۔ اس نے سلیم کے چہرے سے نگاہیں ہٹا کر سامنے دیوار کی جانب دیکھا تھا۔

"مجھے رونا نہیں آتا... پتا نہیں کیوں..." وہ گلوگیر لہجے میں کہہ رہی تھی۔ آنکھیں ابلنے کو تیار تھیں۔

"سب انسانوں کو رونا آتا ہے لیکن تم رونے سے ڈرتی ہو... رونے سے سکون مل جاتا ہے نینا۔" وہ ناصحانہ انداز میں بولا۔

"ہاں..." اس نے کہا۔ پہلا آنسو پھسل کر گال پر آیا تھا۔

"کیونکہ مجھے چپ کروانے والا کوئی نہیں ہے۔ اگر مجھے پتا ہو کہ مجھے کوئی چپ کروانے والا ہے تو میں بھی زور زور سے رو لوں... لیکن مجھے روتا دیکھ کر کوئی بھی مجھے تسلی نہیں دیتا۔ رونا تب ہی سکون دیتا ہے جب پتا ہو کہ کوئی ہے جو آپ کو دلاسا دے سکتا ہے۔" وہ اب روتے ہوئے بولی تھی۔ سلیم نے کچھ نہیں کہا۔ وہ جانتا تھا فی الوقت اسے الفاظ کی ضرورت ہے بھی نہیں۔ اس کی بات میں خود غرضی کی نمایاں جھلک تھی لیکن وہ اسے ٹوکنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ کچھ دیر بلا آواز روتی رہی اور وہ اسے دیکھتا رہا۔

"ہو گئے ہو اب خوش... رو مر لیا ہے میں نے..." چند لمحے بعد اس نے اپنی آنکھیں خود ہی صاف کر لی تھیں۔

"اچھا کیا جو رو مر لیا... ورنہ تم مزید ایک ہفتہ خالہ اور زری سے جھگڑ جھگڑ کر انہیں نخرے دکھاتی رہتیں۔" وہ مسکرایا تھا۔

"ان سب کی کتنی فکر ہے تمہیں... میری فکر نہیں ہے۔" یہ شکوہ تھا جس نے سلیم کو مزید مسکرانے پر مجبور کیا۔

"چلی ملی کھاؤ گی۔" وہ اس کی بات کا جواب دیے بغیر پوچھ رہا تھا۔ نینا نے نفی میں سر ہلایا۔

"تم خالہ کو بولو نا کہ وہ مہر کو یہاں لے آئیں..." اس نے درخواست کی تھی۔

"اس کے دادا، دادی اسے یہاں نہیں بھیجنا چاہتے نینا۔ تم جانتی ہو ان کی ذہنیت... وہ ذرا وہمی سے لوگ ہیں... اس کی دادی نے امی کو صاف الفاظ میں کہا کہ بار بار مہر کو مت بلوائیں... وہ نہیں چاہتیں کہ نانا، نانی کے گھر جا کر مہر کوئی الٹی سیدھی پٹیاں پڑھے۔" سلیم نے بے چارگی سے کہا تھا۔

"اس ڈر سے اب ہم مہر سے لاتعلق تو نہیں ہو سکتے نا... وہ کچھ بھی کہیں گے تو کیا ہم مان لیں گے۔ وہ ہٹ دھرمی کر سکتے ہیں تو کیا ہم نہیں کر سکتے۔" حسب معمول وہ چڑ کر بولی۔ سلیم نے اس کا چہرہ بغور دیکھا۔

"مہر کا اپنے ابا کے گھر میں رہنا ہی بہتر ہے نینا۔"

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☆ ☆

Downloaded From
Paksociety.com

READING Section
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY